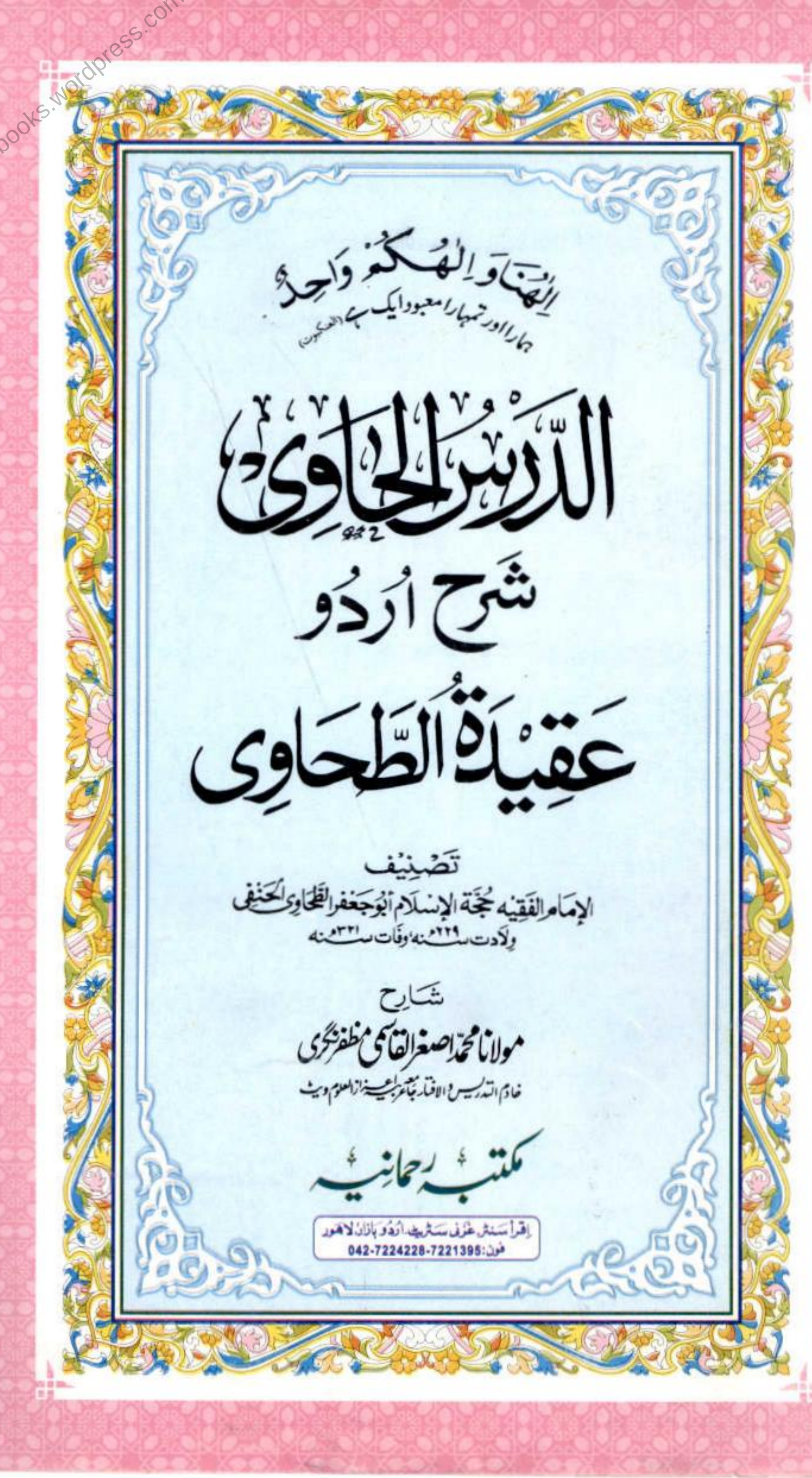


besturdubooks.wordpress.com
اِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ
ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے (العنکبوت)
الدرس الحاوی
شرح اردو
عقیدۃ الطحاوی
تصنیف
الإمام الفقیہ حجۃ الإسلام ابو جعفر الطحاوی الحنفی
ولادت سنہ ۲۲۹ھ، وفات سنہ ۳۲۱ھ
شارح
مولانا محمد اصغر القاسمی مظفرنگری
خادم التدریس و الافتاء جامعہ اعزاز العلوم ویٹ
مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
فون: 042-7224228-7221395

إِلٰهُنَا وَإِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ

ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے

[العنکبوت]

# الدرس الحاوی

## شرح اردو

# عقیدۃ الطحاوی

تصنیف

الإمام الفقیه حجة الإسلام أبو جعفر الطحاوی الحنفی

ولادت سنہ ۲۲۹ھ، وفات سنہ ۳۲۱ھ

شارح


مولانا محمد اصغر القاسمی مظفرنگری

خادم التدریس والافتاء جامعہ عربیہ ازالعلوم ویٹ



مکتبہ رحمانیہ

اقراء سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ـــــ الدر الحاوی

تصنیف ـــــ الإمام الفقیہ حُجّۃ الإسلام أبو جعفر الطحاوی الحنفی

شارح ـــــ مولانا محمد اصغر القاسمی مظفرنگری

مطبع ـــــ علی اعجاز پرنٹرز

ناشر ـــــ مکتبہ رحمانیہ

**استدعا**

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

# فہرست مضامین الدرس الحاوی شرح اردو عقیدۃ الطحاوی

# مقدمہ

نبی اکرم ﷺ نے معجزہ کے طور پر فرمایا بنی اسرائیل میں اختلاف کی وجہ سے بہتر (۷۲) فرقے ہوگئے تھے میری امت میں تہتر (۷۳) فرقے ہو جائیں گے۔ جن میں صرف ایک فرقہ ناجی اور جنتی ہوگا باقی سب فرقے غیر ناجی اور ناری ہونگے صحابہؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا وہ ایک ناجی فرقہ کون ہوگا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ وہ فرقہ ہوگا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر عمل پیرا ہوگا۔ (اہل سنت والجماعت)

طوالت سے احتراز کرتے ہوئے یہاں صرف فرق باطلہ کا اجمالی نقشہ پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان فرقوں کے تفصیلی عقائد و نظریات معلوم کرنے کیلئے تلبیس ابلیس صفحہ نمبر ۲۲ تا صفحہ نمبر ۲۹ وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کیجئے۔

اصولی اختلاف کے اعتبار سے فرق ضالہ چھ (۶) ہیں

(۱) روافض (۲) خوارج (۳) جبریہ (۴) قدریہ (۵) جہمیہ (۶) مرجیۂ

پھر ان میں سے ہر ایک فرقے کی ۱۲ شاخیں ہیں۔ جیسا کہ درج ذیل نقشہ سے واضح ہیں۔

| شمار | فرقہ روافض | فرقہ خوارج | فرقہ جبریہ | فرقہ قدریہ | فرقہ جہمیہ | فرقہ مرجیۂ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | علویہ | ازرقیہ | فطظریہ | احمدیہ | معطلہ | تارکیہ |
| ۲ | امریہ | اباضیہ | افعالیہ | ثنویہ | مریسیہ | سائبیہ |
| ۳ | شیعیہ | ثعلبیہ | مفروغیہ | معتزلہ | ملتزقہ | راجیہ |
| ۴ | اسحاقیہ | حازمیہ | نجاریہ | کیسانیہ | واردیہ | شاکیہ |
| ۵ | نادوسیہ | خلفیہ | مبانیہ | شیطانیہ | زنادقہ | بہیسیہ |

| | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ۶ | امامیه | کوزیه | کسبیه | شریکیه | حرقیه | ایمانیه |
| ۷ | زیدیه | کنزیه | سابقیه | وهمیه | مخلوقیه | مستثنیه |
| ۸ | عباسیه | شمراخیه | حُبّیه | ربویه | فانیه | مشبه |
| ۹ | متناسخه | اخنسیه | خوفیه | بزیه | عریه | حشویه |
| ۱۰ | رجعیه | محکمیه | فکریه | نلکتیه | واقفیه | ظاهریه |
| ۱۱ | لاغیه | معزله | حسنیه | قاسطیه | تبریه | بدعیه |
| ۱۲ | متسربصه | میمونیه | معیه | نظامیه | لفظیه | منقوصیه |

## اہل سنت والجماعت کا مختصر تعارف

یہ جماعت تین لفظوں سے مرکب ہے۔ (۱) اہل۔ معنی اشخاص، مقلدین، اتباع، پیرو۔ (۲) سنت۔ معنی راستہ مجاز اًروش۔ طرز زندگی اور طرز عمل کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اصطلاح شریعت میں رسول اکرم ﷺ کے طرز زندگی اور طریقہ عمل کو کہتے ہیں۔ (۳) جماعت۔ لغوی معنی تو گروہ کے ہیں۔ لیکن یہاں جماعت سے مراد جماعت صحابہ ہے۔ اس لفظی تحقیق سے اہل السنۃ والجماعت کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ یعنی اہل سنت والجماعت کا اطلاق ان اشخاص پر ہوتا ہے جن کے عقائد و نظریات اور اعمال و مسائل کا محور پیغمبر اسلام کی سنت صحیحہ اور صحابہ کرامؓ کا اثر مبارک ہے۔

سنت کا مقابل لفظ بدعت ہے، بدعت کے معنی نئی بات کے ہیں کہ اصطلاح شریعت میں بدعت کہتے ہیں مذہب کے عقائد یا اعمال میں کوئی ایسی بات داخل ہو جس کی تلقین صاحب مذہب نے نہ فرمائی ہو۔ اور ان ان کے کسی حکم یا فعل سے اسکا منشا ظاہر ہوتا ہو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کے

علاوہ سب عقائد نظریات بدعت ضلالت ہے۔ (رسالہ اہل سنت)

اہل سنت والجماعت کی پہچان بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس میں دس خصلتیں ہوں وہ اہل سنت والجماعت سے ہے۔(۱) نبی ﷺ کے بعد تمام صحابہ پر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت کو تسلیم کرنا۔(۲) حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی توقیر کرنا۔(۳) خانہ کعبہ اور بیت المقدس کی تعظیم کرنا۔(۴) متقی اور فاسق کی نماز جنازہ کا قائل ہونا۔(۵) صالح اور فاسق کی امامت کو جائز سمجھنا۔(۶) عادل اور ظالم بادشاہ کی اطاعت کرنا ان سے بغاوت نہ کرنا۔(۷) مسح علی الخفین کا قائل ہونا۔(۸) اچھی بری تقدیر کو اللہ کی طرف سے سمجھنا۔(۹) انبیاء اور عشرہ مبشرہ کے علاوہ کسی مومن کے بارے میں جنتی یا جہنمی ہونے کی شہادت سے احتراز کرنا۔(۱۰) نماز اور زکوۃ کے ادائیگی کو فرض سمجھنا۔

حضرت ابن عباسؓ کی بیان کردہ ان علامات کے علاوہ اور بھی بہت سی شرائط وخصائل بیان کی جاتی ہیں مثلاً قیامت میں رویت باری پر ایمان قبر اور احوال برزخ کا حق ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہاں ایک اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ۷۳ فرقوں کی طرف نشان دہی کی گئی ہے۔ جبکہ فرقے شمار کے اعتبار سے اس سے زیادہ ہیں۔ جیسا کہ بہت سے فرقے باطلہ اس دور میں پیدا ہو رہے ہیں مثلاً بریلویت۔ مودودیت۔ غیر مقلدیت۔ قادیانیت وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ فرقوں کی یہ تعداد اصولی اختلاف کے اعتبار سے ہے ورنہ فروعی اختلاف کے اعتبار سے ان کی تعداد بڑھی ہوئی ہے چنانچہ حکیم الاسلام (محشی کتاب) فرماتے ہیں

والمرادُ مِنَ الاختلاف بین الفِرَقِ اختلاف الاصولِ لَا لِاختلاف الفروعِ والّا لِازداد عدد الفرق علیٰ ثلاثٍ وسبعین. والمرادُ من قولہ صلی اللہ علیہ وسلم کلھم فی النار الاحلّۃ

واحدةً انهم یعذبون عذاباً شدیداً لِفَسَادِ اعتقاداتهم وسوء اعمالهم بخلاف الفساقِ مِن اهلِ السنۃِ والجماعۃِ فانهم یعذبون لِسوءِ اعمالِهِمْ۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں بیان کردہ یہ مقدار تحدید کیلئے نہیں بلکہ کثرت کو بتانے کیلئے ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عربوں میں یہ عدد (۷۳) کثرت کو بتانے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ جیسا کہ ہمارے محاورے اور عرف میں ۷۰/۳۶/۱۸/وغیرہ کے عدد کثرت کو بتانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ ۷۰ دفعہ تجھ کو سمجھا چکا ہوں مگر تیری سمجھ میں نہیں آتا۔ تو اس میں مراد ۷۰ کی تحدید نہیں ہوتی بلکہ کثرت مراد ہوتی ہے۔ فکذا هذا

## امام طحاوی کا مختصر تعارف

نام ونسب :۔ ابو جعفر کنیت تھی احمد نام تھا والد کا نام محمد تھا۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے ابو جعفر احمد بن سلامہ بن مسلمہ بن عبد الملک بن سلمہ بن سلیم بن سلیمان بن جواب ازدی۔ حجری۔ طحاوی مصری۔

ازد یمن کا ایک مشہور ترین قبیلہ ہے اس کی ایک شاخ حجر تھی اور ایک شاخ شنوہ تھی شنوہ سے امتیاز کے لئے حجری کہا جاتا ہے۔ پھر یمن سے مصر منتقل ہو گئے اس لئے مصری کہا جاتا ہے اور طحا مصر کے ایک دیہات کا نام ہے وہاں آپ مقیم ہو گئے تھے اس لئے طحاوی کہا جاتا ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ا ص ۴۶)

ولادت :۔ آپ کے سن ولادت میں چار قول نقل کئے گئے ہیں۔

(۱) ۱۰ ربیع الاول ۲۳۷ھ (۲) ۲۳۸ھ (۳) ۲۳۹ھ (۴) ۲۲۹ھ بعض حضرات نے تیسرے قول کو اور حافظ بن نقطہ نے چوتھے قول کو ترجیح دی ہے۔ مطابق ۲۵/ مئی ۸۵۳ء (اتحاف النبلاء)

وفات:۔ متفقہ طور پر ۳۰/ شوال شب جمعرات ۳۲۱ھ مطابق ۲۵/ جنوری ۹۳۳ء میں انتقال ہوا اور مصر کی قرافہ نامی بستی میں دفن کئے گئے۔ مقدمہ امانی الاحبار میں صفحہ ۲۹ پر آپکی پیدائش، مدت عمر اور وفات کا تاریخی عدد یہ نکالا ہے۔

پیدائش مصطفیٰ ۲۲۹ھ عمر محمد ۹۲ سال وفات مصطفیٰ ۳۲۱ھ

تحصیل علم:۔ تقریباً تین سو اساتذہ و شیوخ سے تمام علوم وفنون کی تکمیل کی اور تیسری اور چوتھی صدی کے ان جلیل القدر فقہاء اور بلند پایہ حفاظ حدیث کی صف میں شامل ہو گئے جنہوں نے پوری زندگی کتاب وسنت کی اشاعت میں صرف کردی۔

مسلک حنفی قبول کرنا:۔ آپ کے استاذ امام مزنیؒ کتب حنفیہ کا کثرت سے مطالعہ کرتے تھے امام طحاویؒ نے بھی کتب حنفیہ کا کثرت سے مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ تو آپ کو دلائل شافعیہ کے مقابلہ میں دلائل حنفیہ زیادہ محقق اور مضبوط معلوم ہوئے۔ اب آپ کا میلان کتب حنفیہ کی طرف زیادہ ہوا اور فقہ حنفی آپ کے دل کو ایسا بھایا کہ اب آپ کی پیاس فقہ حنفی سے بجھتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے مسلک شافعی کو چھوڑ کر مسلک حنفی اختیار کر لیا۔ بعض حضرات نے آپ کا شمار تیسرے طبقہ کے محدثین میں کیا ہے لیکن آپ وہ پہلے اور آخری محدث ہیں جنہوں نے طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ کے عظیم المرتب محدثین کی روش سے ہٹ کر حنفی مسلک اختیار کیا اور پوری زندگی اسی کی اشاعت کی یہاں تک کہ آپ مسلک حنفی کے بہت بڑے وکیل (بیرسٹر) کہلائے۔

(الحاوی مقدمہ امانی ص ۳۲۔ تاریخ کبیر للذہبی، عقیدہ طحاویہ مترجم، مرأۃ الجنان)

عقیدۃ الطحاوی:۔ آپ حدیث وفقہ کے امام۔ اجتہادی شان کے مالک اور مجدد تھے۔ آپکی تصانیف تیس (۳۰) سے زائد ہیں۔ معانی الآثار فن حدیث میں آپ کی پہلی تصنیف ہے جو اپنے طرز اور انداز بیان کی وجہ سے دیگر سنن پر راجح ہے۔ اور یہ آپ کا تجدیدی کارنامہ ہے۔ آپ کی گراں قدر تصانیف میں عقیدۃ الطحاوی بھی ہے۔ جو اگرچہ مختصر ہے لیکن فائدے کے اعتبار سے عظیم تر کتاب متصور ہوتی ہے۔ کیونکہ

امام طحاویؒ نے عقائد سے متعلق اس کتاب میں وہ تمام باتیں جمع کردیں ہیں جس کی ہر مسلمان کو شدید ضرورت ہے اہل سنت والجماعت کے متفقہ عقائد کو بڑی سادگی سلاست اور عام فہم انداز میں پیش کیا ہے۔اس کتاب کا نام "بیان السنۃ" ہے جو عقیدۃ الطحاوی کے نام سے مشہور ہے۔ بعض حضرات نے اس کا پورا نام بیان عقائد اهل السنة والجماعة علىٰ مذهب فقهاء الملة بتایا ہے۔

یہ کتاب علم عقائد میں ہے اور کسی بھی فن کی کتاب شروع کرنے سے پہلے سات چیزوں سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے:(۱) فن کی تعریف (۲) فن کی غرض وغایت (۳) فن کا حکم (۴) فن کا مرتبہ (۵) فن کی تدوین (۶) مصنف کے حالات زندگی۔(۷) فن کا موضوع۔

(۱) تعریف:۔وہ شی ہے جس کے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت بیان کیجائے جیسے انسان کی تعریف حیوان ناطق ہے۔

(۲) غرض:۔ جس کی وجہ سے فاعل سے فعل صادر ہو۔غایت وہ نتیجہ جو اس پر مرتب ہو مثلاً کتاب خریدنے کے لئے بازار جانا تو غرض ہے اور کتاب خریدنا غایت ہے۔

(۳) موضوع:۔جس کے عوارض ذاتیہ سے اس فن میں بحث کیجائے۔

(۴) حکم:۔ شی پر مرتب ہونے والا اثر۔ جیسے کتے کے جھوٹے پانی کا حکم اور اثر یہ ہے کہ وہ ناپاک ہے اس سے وضوء جائز نہیں۔

(۵) مرتبہ:۔ شی کا مقام۔

(۶) تدوین:۔ بکھرے ہوئے اجزاء کو ترتیب دینا۔

(۷) حالات مصنف:۔ یعنی مصنف کتاب کا نام ونسب تعلیم وتعلم علمی مقام، تصنیف وتالیف اور مسلک وغیرہ کا تعارفی انداز میں تذکرہ کرنا۔

تعریف: العقائد ما يقصد فيه نفس الاعتقاد دون العمل

عقائد وہ علم ہے جس میں اعتقاد مقصود ہو عمل مقصود نہ ہو۔ جن احکام کا انسان مخاطب ہے انکی دو قسمیں ہیں۔ (۱) احکام اصلی۔ (۲) احکام فرعی۔ احکام اصلی وہ احکام ہیں جن کے حق ہونے کا دل میں مستحکم یقین ہو جیسے باری تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین۔

احکام فرعی وہ احکام ہیں جو عملاً کئے جاتے ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوۃ وغیرہ۔

**غرض:-** تقلید سے ترقی کر کے یقین حاصل کرنا۔ (۲) ہدایت کا راستہ ڈھونڈنے والوں کو دلیل سے راستہ دکھانا۔ (۳) مخالفین کو دلیل سے زیر کرنا۔ (۴) دینی عقائد کی حفاظت کرنا۔ (۵) دوسرے علوم شرعیہ کو اس سے مستنبط کرنا۔ کیونکہ علم عقائد سب کے لئے جڑ ہے۔

**غایت:-** ان تمام باتوں کی غایت سعادت دارین ہے۔

**موضوع:-** متقدمین کے نزدیک اس کا موضوع اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ہیں مگر متاخرین کے نزدیک اس کا موضوع وہ معلومات ہیں جن سے دین محمدیؐ کے عقائد کو ثابت کیا جائے۔

**حکم ومرتبہ:-** بندوں کے تمام اعمال کا صحیح اور مقبول ہونا باطن کی صفائی اور عقائد کی درستگی پر موقوف ہے عقائد صحیح ہوئے بغیر سارے اعمال ظاہرہ ضائع اور لغو ہیں کیونکہ دل میں عقیدہ اور ایمان کی حیثیت ایک درخت کی ہے اور انسان کے ظاہری اعمال اس کی شاخیں ہیں۔ درخت کی جڑ جس قدر مضبوط اور صحیح ہوتی ہے اس کی شاخیں بھی اتنی ہی ہری بھری ہوتی ہیں اور اگر اس کی جڑیں اکھڑ جائیں یا کھوکھلی اور کمزور پڑ جائیں تو اس کی شاخیں بھی اس سے متاثر ہونگی اور کمزور ہونگی بعینہٖ حال عقیدہ کے صحیح مضبوط اور کمزور ہونے کا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ علم عقائد کا مقام ومرتبہ بہت اونچا ہے اور اسکی تحصیل فرض ہے۔

**تدوین:-** جس طرح علم فقہ اور اصول فقہ کی تدوین کا سہرا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے سر ہے اسی طرح علم عقائد کی تدوین کا سہرا بھی آپکے سر ہے۔

# امام اعظم ابوحنیفہ

ابوحنیفہ کنیت۔ نام نعمان والد کا نام ثابت کوفہ کے رہنے والے تھے اسلئے کوفی کہے جاتے ہیں۔ عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت میں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے امام مالک سے عمر میں بڑے ہیں۔ اوران کے استاذ کی بھی ۱۵۰ھ میں وفات ہوئی در مختار کے قول کے مطابق بیس (۲۰) صحابہ اور صاحب اکمال کے قول کے مطابق چھبیس (۲۶) صحابہ کرام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ اجلہ تابعین میں سے ہیں۔ اور حضورؐ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے، مجد الدین فیروز آبادی کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ تقریباً بیس فقہاء کا لقب ہوا ہے لیکن ان سب میں زیادہ فقیہ ہونے کی وجہ سے اس لقب سے آپ مشہور ہوئے۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد بھی چار ہزار ہے اور تلامذہ کی تعداد بھی چار ہزار ہے۔ آپ زہد و تقویٰ، جود و سخاوت کا پیکر اور اخلاق حسنہ کا مجسمہ تھے۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ آپ امیر المومنین فی الحدیث تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں الناس فی الفقه عیال ابی حنیفة۔ کہ تمام انسان فقہ میں ابوحنیفہ کی اولاد ہیں۔ بعض کوتاہ نظر امام صاحب کے بارے میں زبان طعن دراز کرتے ہوئے یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ امام صاحب کو چند احادیث یاد تھیں۔ اور عربی زبان میں بھی کمزور تھے۔ جبکہ فصیح اللسان اور بلیغ الکلام ہونے میں آپ کی نظیر نہیں تھی۔ اسی طرح آپ نے صحابہ تابعین وغیرہ سے حدیث کا مکمل علم حاصل کیا۔ اور کوفہ میں جو صحابہ، محدثین، اور فقہاء کا مسکن اور علم کا مرکز بنا ہوا تھا۔ کوئی ایسا محدث نہیں چھوڑا جس سے علم حدیث حاصل نہیں کیا۔

وجہ صرف یہ تھی کہ آپ کا ذوق علم کلام اور علم حدیث میں لگا ہوا تھا لیکن جب آپ نے دیکھا کہ لوگ دینی مسائل میں بے حد پریشان ہیں۔ اور مسائل پوچھنے میں امام صاحب کی طرف رجوع کر رہے ہیں تو آپ نے اس شدید ضرورت کی وجہ سے فقہ کو اپنا مشغلہ بنالیا۔ اور اپنے تلامذہ سے بھی فرمایا کہ فقہ میں میرا تعاون کرو۔ امام صاحب

کے تلامذہ دو طرح کے تھے اصحاب الحدیث اور اصحاب الفقہ، تقریباً چالیس (۴۰) تلامذہ نے اجتہاد کا درجہ بھی حاصل کر لیا تھا لیکن آپ کے سبھی تلامذہ نے فقہ کی خدمت کو اپنا مشغلہ اور اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شہر میں انہیں منصب قضاء وافتاء پر فائز کیا گیا جس سے آپ کے فقہ کو شہرت ملی۔ اور علم حدیث میں آپ کو اور آپ کے تلامذہ کو وہ شہرت نہیں مل سکی جو آپکے تلامذہ کے تلامذہ کو حاصل ہوئی کیونکہ ان کا محبوب ترین مشغلہ علم حدیث کی خدمت تھا۔ اس لئے یہ اعتراض بے بنیاد اور تعصب سے بھرا ہوا ہے۔ اور یہ ایک تاریخی مشاہدہ ہے کہ جب کوئی شخصیت آفتاب ومہتاب بنکر آسمان علم پر چمکتی اور ابھرتی ہے اس کے فضائل وکمالات کا ظہور ہوتا ہے۔ اور دنیا میں ان کے چرچے ہوتے ہیں۔ تو جہاں حق پسند جماعت ان کے فضل وکمال کا اعتراف کرتی ہے اور زمین پر ان کے وجود کو باعث رحمت اور اصلاح کا ذریعہ سمجھتی ہے تو ساتھ ہی حاسدین ومعاندین کی جماعت بھی اس کی مخالفت کو اور تنقید کو اپنا نصب العین بنالیتی ہے۔ اور آفتاب پر پردہ ڈالنے کی ناپاک اور بے فائدہ کوشش کرتی ہے۔ امام صاحب کی مقدس شخصیت بھی انہیں میں سے ایک ہے جو آپ کے مقبول عند اللہ اور مقبول عند الناس اور برحق ہونے کی واضح دلیل ہے۔

بہر حال آپ نے ایک عظیم باب کا دروازہ کھول دیا جس سے پوری انسانیت بھرپور فیضیاب ہو رہی ہے۔ چنانچہ آپ کے ہم عصر علماء وفضلاء نے آپ کی شان میں خوب کلام کیا ہے اور آپ کے فضائل ومناقب میں بے شمار کتابیں لکھی ہیں اور لکھی جارہی ہیں اور متقدمین ومتاخرین نے آپ کے احسانات کا اعتراف کر کے آپ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

اعدذکر نعمان لنا ان ذکره ☆ هو المسك ماكررته يتضوء

الفقه زرعه ابن مسعود وسقاه علقمة وحصده ابراهيم ودأسه حماد وطحنه ابوحنيفة وعجنه ابويوسف خبزه محمد فسائر الناس ياكلون من خبزه . (شامی)

## امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

ابو یوسف کنیت۔ نام یعقوب والد کا نام ابراہیم، آپ ایک انصاری صحابی حضرت سعدؓ کی اولاد میں سے ہیں آپ کی پیدائش صحیح قول کے مطابق ۹۳ھ میں ہوئی احکام قضاء میں ابن لیلیٰ سے استفادہ کیا اور فقہ وحدیث میں امام اعظم ابو حنیفہ سے کلی استفادہ کیا۔ رات دن امام صاحب کی خدمت میں گذارتے تھے۔ اونچے درجہ کے حافظ حدیث تھے اللہ تعالیٰ نے بے نظیر حافظہ دیا تھا آپ کا شمار علامہ ابن جوزی نے ان سو افراد میں کیا ہے جو اس امت کے مخصوص اور بے نظیر صاحب حافظہ ہوئے ہیں آپ کے اساتذہ وتلامذہ کی بڑی تعداد ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امام محمد جیسی مایہ ناز شخصیتوں کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ کا درس نہایت مقبول تھا عہد قضاء پر فائز ہونے کے بعد آپ کا تدریسی وتعلیمی مشغلہ برابر رہتا تھا آپ نے اگرچہ اپنی نسبت کو امام صاحب کے ساتھ باقی رکھا مگر آپ کے علمی کمالات اور قوت اجتہاد کے پیش نظر آپ کو مجتہد مطلق ماننا ضروری ہے، آپ امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ کے رکن رکین تھے اخلاق حسنہ، زہد وتقویٰ قناعت کے مالک تھے، آپ کی وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی۔

## امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

ابو عبد اللہ کنیت نام محمد والد کا نام حسن۔ اصل مسکن جزیرہ (شام) ولادت ۱۳۲ھ میں واسط میں ہوئی پھر والدین مستقل طور سے کوفہ منتقل ہوگئے کوفہ ہی میں آپ کی تعلیم وتربیت ہوئی شیبانی ایک قبیلہ ہے اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے شیبانی کہتے ہیں تفسیر، لغت وادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ فقہ کی تکمیل امام اعظم اور امام یوسف سے کی اور حدیث کی تکمیل امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ سے کی آپ کے اساتذہ وتلامذہ کی تعداد بڑی ہے۔ امام شافعیؒ آپ کے خاص شاگردوں میں ہیں۔

نہایت قوی حافظہ اور حدیث وفقہ کے امام مجتہد تھے۔ کتب تاریخ میں آپ کی تصنیفات وتالیفات ایک ہزار تک بیان کی گئی ہیں جو امت مسلمہ پر عظیم احسان ہے۔ سبھی مذاہب کے ائمہ نے آپ کی تدریسی اور تصنیفی خدمات سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ شب بیداری آپ کی عادت تھی۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ رات میں سوتے کیوں نہیں ہیں۔ تو فرمایا "کہ مسلمان ہم پر اعتماد کر کے سوتے ہیں تو میں کیسے سو جاؤں" کچھ حضرات نے امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے متعلق فرمایا کہ خلق قرآن کے قائل تھے اور فرقہ جہمیہ یا مرجیہؒ سے تعلق رکھتے تھے۔ تو یہ قول جھوٹ اور صراحتاً باطل ہے۔ دونوں کا مستحکم نظریہ اہل سنت والجماعت کے ساتھ تھا۔ كَمَا زَعَمَ الْبُخَارِیُ اَنَّ الامَامَ اَبَاحَنِيْفَةَ وَالامَامَ مُحَمَّدٌ جَهْمِيَّانِ اَوْ مُرْجِئَانِ فَهُوَ كِذْبٌ صَرِيْحٌ وَبَاطِلٌ كَمَا نَقَلَ الْمُحَدِّثُ الضُّمَيْرِی اَنَّ مُحَمَّداً كَانَ يَقُوْلُ مَذْهَبِی مَذْهَبُ اَبِی حَنِيْفَةَ وَاَبِی يُوْسُفَ وَمَذْهَبُهُمَا مَذْهَبُ الْخُلَفَاءِ الْاَرْبَعَةِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَاتُصَلُّوْا خَلْفَ مَنْ يَقُوْلُ اِنَّ الْقُرْآنَ مَخْلُوْقٌ وَقَالَ اَيْضاً يُؤْمِنُ بِالْقُرْآنِ وَبِالْاَحَادِيْثِ الصَّحِيْحَةِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالصِّفَاتِ مِنْ غَيْرِ تَفْصِيْلٍ وَتَفْسِيْرٍ وَتَشْبِيْهٍ لِئَلَّا نَخْرُجَ مِنَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَلِئَلَّا نَكُوْنَ مِثْلَ جَهْمٍ خَارِجٌ مِنَ الْجَمَاعَةِ۔

حاصل یہ کہ امام محمدؒ نے فقہ حنفی کی اشاعت اور خدمت درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ ہر طرح کی ہے۔

## حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

### سابق رئیس الجامعۃ دارالعلوم دیوبند

آپ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے صاحبزادہ حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات بانی دارالعلوم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے پوتے سن ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں دیوبند ہی میں پیدا ہوئے۔ اصل نام محمد طیب رکھا اور تاریخی نام مظفر الدین اور حضرت مولانا عبدالغنی پھلاودیؒ نے خورشید قاسم تجویز کیا۔

علم و عمل کی دنیا میں خانوادہ قاسمی کسی تعارف کا محتاج نہیں ملک و بیرون ملک چہار جانب اس علمی خانوادہ کی خدمات آفتاب و مہتاب کی طرح روشن ہیں علم وفضل کے نورانی اور پاکیزہ ماحول میں حضرت کی تربیت ہوئی سات سال کی عمر میں حفظ کرنا شروع کیا دو سال کی قلیل مدت میں قرأت و تجوید کے ساتھ قرآن مجید کے حفظ کی تکمیل کی پانچ سال فارسی وریاضی کی تعلیم حاصل کر کے عربی کا نصاب شروع کیا جس سے ۱۳۳۷ھ میں فراغت حاصل کی حدیث کی سند کو وقت کے مشاہیر علماء واساتذہ سے حاصل ہوئی آپ کے لائق اساتذہ میں شیخ الہندؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ بلیاویؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ علامۃ العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری آپ کے علم حدیث کے خاص استاذ ہیں۔

علوم کی تکمیل کے بعد آپ نے دارالعلوم میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو آپ کے علم وفضل ذکاوت اور آبائی نسبت کی وجہ سے طلباء میں آپ کا درس نہایت مقبول ہوا درس و تدریس کے ساتھ آپ میدان خطابت کے شہ سوار بھی تھے۔ وعظ و تقریر حقائق واسرار شریعت کے انداز بیان اور ایجاز مضامین میں آپ کو خداداد ملکہ اور خاص امتیازی قدرت حاصل تھی آپ کی تقریریں عمومی وخصوصی جلسوں میں بڑے شوق کے ساتھ سنی جاتی تھیں آپ کی تصنیفات سو (۱۰۰) کے قریب ہیں جو حکیمانہ

اسلوب اور اسرار و حکم سے لبریز، نہایت جامع، اور اپنے انداز تحریر میں اپنی مثال آپ ہیں۔

۱۳۵۰ھ میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے خلافت سے سرفراز فرمایا گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود آپ کا بیعت وارشاد کا سلسلہ سفر و حضر میں برابر جاری رہتا تھا۔ آپ کے مریدین کا حلقہ کافی وسیع ہے جو ہند اور بیرون ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ۱۳۴۳ھ میں آپ کو دارالعلوم کا نائب مہتمم منتخب کیا گیا اور ۱۳۴۸ھ میں مستقل مہتمم بنادیا گیا۔ دارالعلوم نے آپ کے طویل زمانہ اہتمام میں نمایہ ترقی حاصل کی۔ سنہ ۱۹۸۰ء میں آپ کے زیر اہتمام دارالعلوم کا تاریخی اور مثالی جشن صد سالہ دستار بندی ہوا۔ جس میں ملک و بیرون ملک سے مشہور اکابرین علماء اور مقدس ہستیوں اور شاہان مملکت نے شرکت کی اور ماہرین کے اندازہ کے مطابق پچیس لاکھ سے زائد مسلمانوں نے اس جشن میں حصہ لیا۔

۱۹۸۲ھ میں آپ اس دنیا سے دار بقاء کی جانب رحلت فرماگئے۔ اور مزار قاسمی میں تدفین عمل میں آئی۔



قَالَ الشَّیْخُ الْإِمَامُ الْفَقِیْهُ عَلَمُ الْاَنَامِ حُجَّةُ الْإِسْلَامِ اَبُوْ جَعْفَرَ الْوَرَّاقُ الطَّحَاوِیْ الْمِصْرِیُّ.

**ترجمہ:** فرمایا شیخ امام فقیہ سردار خلائق حجۃ الاسلام ابو جعفر وراق طحاوی مصری نے۔

**توضیح:** شیخ۔ عمر رسیدہ، مجازاً استاد اور مرشد کے لئے بولا جاتا ہے اور اصطلاح میں محدثین وصوفیاء کے لئے۔ (الفوز السمائی للراقم ج۱ ص۴۷) الامام ۔ مقتداء قوم۔ الفقیہ علم فقہ کا جاننے والا۔ جمع فقہاء۔ یعنی فقیہ وہ عالم کہلاتا ہے جو اپنی اجتہادی صلاحیت اور غور وفکر کے ساتھ احکام شرعیہ کو واضح کرے اور ان کی حقائق کا سراغ لگائے۔ اور مخفی اور پیچیدہ مسائل کی وضاحت کرے۔ (فائق للزمخشری)

ولهذالايجوزان يسمى الله تعالىٰ فقيها لانه لا يخفى عليه شئى (كتاب التعريفات للجرجانى ص ۱٦٤)

علَم۔ جھنڈا۔ سردار۔ انام۔ مخلوق۔ حجۃ۔ دلیل۔ حدیث کی اصطلاح میں وہ محدث جسکو تین لاکھ احادیث کا پورا علم ہو (الفوز السمائی ج ۱ ص ۴۸)

**تشریح:** قال الشیخ سے المصری تک۔ یہ عبارت امام طحاویؒ کی نہیں ہے بلکہ آپ کے کسی شاگرد وغیرہ کا مقولہ ہے۔ جو آپکی شایان اضافہ کیا گیا ہے۔ خود کوئی مصنف یا مؤلف اپنے لئے اس طرح کے القاب اور مداحیہ کلمات اختیار نہیں کرتا بلکہ بزرگان دین تو اپنی تصانیف وتالیفات میں اپنے نام کا اظہار تواضع وتقوی کے خلاف سمجھتے ہیں چہ جائیکہ اس طرح کے القاب۔

ابوجعفر:۔ امام طحاویؒ کی کنیت ہے۔ امام صاحب کے حالات شروع کتاب میں ملاحظہ ہوں۔

الورّاق:۔ مبالغہ کا وزن ہے، روپے پیسے والا۔ کاغذ بیچنے والا۔ کاغذ بنانے

والا۔ بہت لکھنے والا۔ چنانچہ امام طحاویؒ نے دفتر کے دفتر لکھے ہیں آپ کی تصنیفات تیس سے زائد ہیں جن میں بعض بڑی ضخیم ہیں۔ اس لئے آپ کیلئے وراق کا لفظ استعمال کیا گیا۔ المنجد فی الاعلام میں وراق بعض حضرات کا نام نقل کیا ہے۔ (۱) وراق بن محمد بن عبد اللہ نحوی (صاحب علل النحو والھدایہ) متوفی ۳۸۱ھ (۲) وراق بن محمد بن ھبۃ اللہ لغوی نحوی بغدادی نابینا تھے متوفی ۱۰۷۸ھ (۳) وراق محمد بن عمر ابو بکر متوفی ۲۴۰ھ شافعی المسلک تھے۔ وراق سے امام ترمذی یا امام بلخی مشہور ہوئے ہیں

**هٰذَا ذِكْرُ بَيَانِ عَقِيْدَةِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَلٰى مَذْهَبِ فُقَهَاءِ الْمِلَّةِ اَبِىْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانَ بْنِ ثَابِتٍ الْكُوْفِىْ وَاَبِىْ يُوْسُفَ وَيَعْقُوْبَ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ الْاَنْصَارِىِ وَاَبِىْ عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدَ بْنِ الْحَسَنِ الشَّيْبَانِىْ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ وَمَايَعْتَقِدُوْنَ مِنْ اُصُوْلِ الدِّيْنِ وَيَدِيْنُوْنَ بِهٖ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**

**ترجمہ:** یہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کا بیان ہے فقہاء ملت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی اور ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری اور ابو عبد اللہ محمد بن حسن شیبانی رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مذہب کے مطابق اور اصول دین میں جو وہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور رب العلمین کے لئے جس چیز کو وہ دین بنائے ہوئے ہیں۔ (ان چیزوں کا بیان ہے)

**توضیح:** مذہب۔ روشن۔ طریقہ۔ اعتقاد۔ اصل جمع مذاہب۔ اسلام کے مشہور مذاہب چار ہیں۔ حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ فقہاء فقیہ کی جمع۔ علم فقہ جاننے والا۔ ملت مذہب۔ شریعت۔ اس شریعت کو چونکہ املاء کرلیا جاتا ہے اور لکھا لکھایا جاتا ہے اس لئے اس کو ملت کہتے ہیں۔ (بیان الفوائد، العمر اس) اھل السنة والجماعة کی تحقیق صفحہ نمبر (۲۰) پر ملاحظہ ہو۔ فقہاء الملۃ مبدل منہ اور ابی حنیفۃ الخ اس سے بدل ہے۔ یا عطف بیان ہے۔ وما یعتقدون کا عطف

بیان پر ہے۔ اعتقاد باب افتعال سے ہے۔ پختہ یقین رکھنا۔ اصول اصل کی جمع ہے معنی جڑ۔ فرع کا مقابل۔ والد۔ مصدر۔ منبع۔ اصول وہ قواعد جس پر کسی علم کی بنیاد ہو اصول دین۔ دین کی بنیادیں یعنی اعتقادیات۔ ومایدینون دان یدین باب ض دین اسلام اختیار کرنا۔ أبی حنیفة امام اعظم کی کنیت۔

نَقُوْلُ فِیْ تَوْحِیْدِ اللہِ مُعْتَقِدِیْنَ بِتَوْفِیْقِ اللہِ (۱) اِنَّ اللہَ تَعَالٰی وَاحِدٌ لَاشَرِیْکَ لَہٗ. (۲) لَاشَیْئَ مِثْلُہٗ (۳) وَلَاشَیْئَ یُعْجِزُہٗ.

**ترجمہ:** توفیق ایزدی کے ساتھ۔ توحید باری سے متعلق ہم اس اعتقاد کا اعلان کرتے ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ اکیلا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ (۲) کائنات کی کوئی چیز اسکے مشابہ نہیں (۳) اور کوئی بھی شئی اسکو عاجز نہیں کرسکتی۔

**توضیح:** توحید باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اللہ کے ایک ہونے کا اقرار کرنا۔ توفیق۔ باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے کے فعل کو اپنی پسند اور مرضی کے مطابق کردینا۔ اس سے مصنف نے آیت باری کی جانب اشارہ کیا ہے۔ یعنی وما توفیقی الا باللہ۔ (میرے کام کا بننا اللہ ہی کی مدد سے ہے) اللہ۔ صحیح قول کے مطابق یہ اللہ کا علم ذاتی ہے۔ واحد۔ اسم فاعل معنی اکیلا۔ لاثانی۔ شریک۔ ساجھی جمع شرکاء۔ شئی۔ ممکن چیز۔ جو چیز جانی پہچانی جائے اور اس کی خبر دی جاسکے۔ جمع اشیاء۔ مثل۔ مشابہ۔ نظیر۔ مشابہت جمع امثال۔ یُعجزُ۔ باب افعال سے عاجز کرنا۔ تھکا دینا۔

**تشریح:** مصنف علیہ الرحمۃ نے توحید باری تعالیٰ سے ابتداء کی ہے۔ اس لئے کہ۔ (۱) توحید اسلام کا رکن ایمان کی اساس اور عبادت کی بنیاد ہے۔ حدیث میں ہے وَحِّدُوا اللہ فَاِنَّ التَّوْحِیْدَ رأسُ الطَّاعَاتِ۔ اللہ کی توحید کا اقرار کرو اس لئے کہ توحید عبادات کی بنیاد ہے۔ اسی لئے بندے کو سب سے پہلے توحید کا مکلف بنایا۔ (۲) تمام آسمانی مذاہب کی بنیاد اسی توحید پر ہے۔ ہر نبی نے

اپنے اپنے زمانے میں اولا توحید کی دعوت پیش کی۔ (۳) قرآن میں جگہ جگہ توحید کو مقدم کر کے بیان کیا۔ (۱) شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ۔ (آل عمران)

اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور اہل علم نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۲) فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (محمد) (۳) اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِیْ (انبیا) میرے سوا کوئی معبود نہیں سو میری عبادت کرو۔

(۴) سلوک و معرفت کا پہلا درجہ توحید ہے۔ (۵) کلمہ توحید ہی اسلام میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔ اس کلمہ کی بدولت کفر کی حالت میں کئے گئے صغیرہ و کبیرہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اب عبارت کی تشریح ملاحظہ ہو۔

(۱) اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور افعال و شؤن (معاملات) میں یکتا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں نہ اس کا کوئی ہم جنس ہے نہ وہ خود جنس ہے۔ وہی مستحق عبادت ہے۔ اور وہی ہماری توجہات کا قبلہ ہے۔ قرآن مجید کی کثیر آیتیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً (۱) هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (زمر) اللہ تعالیٰ واحد القہار ہے۔ (۲) وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ (عنکبوت) اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے۔ (۳) لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ (انعام) اس کا کوئی ساجھی نہیں اور اسی کا مجھے حکم ملا ہے۔ (۴) وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِی الْمُلْكِ۔ ملک میں اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ (۵) اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف) حکم صرف اللہ کے لئے ہے۔ (۶) لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (انبیاء) اگر ان دونوں میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو دونوں خراب ہو جائے۔ (۷) وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (مؤمنون) اسکے ساتھ کوئی معبود نہیں یوں ہوتا تو ہر معبود اپنی بنائی چیز کو لیجاتا اور ایک ایک پر چڑھائی کرتا۔ (۸) اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ

هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِنْ شَيْءٍ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ (روم) اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا تم کو روزی دی پھر تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو جلائے گا کیا تمہارا کوئی شریک ان کاموں میں سے کچھ کر سکتا ہے۔

(۳) کسی کام سے عاجز ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔(۱) ضعف و کمزوری کہ اس کام کو کرنے کی طاقت و قدرت نہیں ہے۔ (۲) جہالت و نادانی اور علم کی کمی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں صورتوں سے منزہ ہے۔ اس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے۔ اور اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ کوئی چیز اس کے علم اور قبضہ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ (فاطر) اللہ تعالیٰ کو آسمان و زمین کی کوئی چیز نہیں تھکا سکتی۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر چیز پر ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ (آیت) اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ (۲) یعنی کائنات کی کوئی چیز نہ اس کی ذات و صفات کے برابر ہے۔ نہ کسی کا حکم اور فیصلہ اس کے حکم اور فیصلہ کی طرح ہے۔ نہ کسی کا مقام و مرتبہ اس کے مقام و مرتبہ کے برابر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (شوریٰ) اس کے مشابہ کوئی شئی نہیں۔ لَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (اخلاص) اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

(٤) وَلَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ. (٥) قَدِيْمٌ بِلَا ابْتِدَاءٍ دَائِمٌ بِلَا انْتِهَاءٍ (٦) لَا يَفْنٰى وَلَا يَبِيْدُ (٧) وَلَا يَكُوْنُ اِلَّا مَا يُرِيْدُ (٨) لَا تَبْلُغُهُ الْاَوْهَامُ وَلَا تُدْرِكُهُ الْاَفْهَامُ.

**ترجمہ:** (۴) اور اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ (۵) وہ قدیم ہے بغیر ابتداء کے (یعنی اس کی کوئی ابتداء نہیں) وہ ہمیشہ رہنے والا ہے بغیر کسی انتہا کے (یعنی اس کی کوئی انتہاء نہیں) (۶) نہ وہ ذات فنا ہو گی اور نہ ختم ہو گی (۷) اور جہان میں نہیں ہوتا مگر وہی جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔ (۸) انسانی خیالات اس کی حقیقت تک نہیں

پہنچ سکتے اور نہ ہی عقل انسانی اس کا ادراک کر سکتی ہے۔

**توضیح:** الٰہ۔ معبود جمع الھۃ. قدیم۔(۱) وہ شئی جو خود بخود موجود ہو اس کا وجود غیر کی وجہ سے نہ ہو۔(۲) وہ شئی جس کے وجود کی کوئی ابتداء نہ ہو۔(۳) وہ شئی جس کی ابتداء اور انتہاء نہ ہو۔(کتاب التعریفات ص ۱۶۸) ابتداء۔ باب افتعال شروع کرنا۔ دائم۔ باب ن سے اسم فاعل ہمیشہ رہنے والی ذات۔ انتہاء باب افتعال۔ حد کو پہنچنا۔ یفنی۔ باب س۔ فتح فنا ہونا۔ یبید۔ باب ض ہلاک ہونا۔ یرید باب افعال۔ چاہنا۔ خواہش کرنا۔ تبلغ۔ باب ن پہنچنا۔ اوھام وھم کی جمع ہے دل میں گذرنے والا خیال، قوۃ وہمیہ کو بھی وہم کہتے ہیں جس سے محسوسات کے جزوی معانی دریافت ہوتے ہیں جیسے زید کی شجاعت۔ سخاوت۔ افہام۔ فھم کی جمع ہے سمجھ۔ کسی چیز کا تصور۔

**تشریح:** (۴) ارشاد باری ہے۔ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (اعراف) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ (۵) یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی (ہمیشہ سے) ہے اور ابد (ہمیشہ) رہے گی۔ قرآن وحدیث میں قدیم کو اول سے اور "دائم کو آخر" سے تعبیر کیا ہے فرمایا: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وہی اول ہے وہی آخر۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْئٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْئٌ (مسلم شریف) اے اللہ تو ہی اول ہے کہ تجھ سے پہلے کچھ نہیں اور تو ہی آخر ہے کہ تجھ سے بعد میں کچھ نہیں۔ اول وآخر کو مطلق بیان کیا ہے۔ اول مطلق جس کی ابتداء میں کوئی حد نہ ہو۔ اسی کو ازلی اور قدیم کہا جاتا ہے۔ آخر مطلق جس کی انتہا میں کوئی حد نہ ہو۔ اس کو دائمی اور ابدی کہا جاتا ہے۔ فَهُوَ قَدِيْمٌ لَمْ يَزَلْ . وَدَائِمٌ لَا يَزَالُ۔ (۶) اس کی ذات فنا نہیں ہوگی کیونکہ وہ ازلی اور ابدی ہے اور بیماری۔ کمزوری۔ فنا اور ہلاکت ان چیزوں کے ساتھ خاص ہے۔ جو فنا ہونے والی ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۔ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (رحمن) زمین کی ہر

چیز فنا ہوگی۔ اور تیرے رب کی عظمت و برکت والی ذات باقی رہے گی۔ کُلُّ شَيْئٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ اللہ کی ذات کے علاوہ ہر چیز ختم ہونے والی ہے۔ پھر موجود کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ممکن۔ جس کو وجود خارج سے لاحق ہوتا ہے۔ (۲) واجب۔ کہ وجود اس کی ذات میں داخل ہو اس سے کبھی جدا نہ ہو۔ پس اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے وجود اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا کہ اس پر فنا طاری ہو۔ فَيَجِبُ لَهُ الْبَقَاءُ اَبَداً وَلَا يُمْكِنُ لَهُ الْفَنَاءُ آناً۔ (۷) مطلب یہ ہے کہ ہر چیز مثلاً مومن کا ایمان کافر کا کفر بندوں کے اچھے برے اعمال۔ نفع و نقصان سب اللہ کے ارادہ سے ہوتے ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہے۔ لَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ (ھود) نہ کارگر ہوگی تم کو نصیحت میری جو چاہوں کہ تم کو نصیحت کروں اگر اللہ چاہتا ہوگا کہ تم کو گمراہ کرے۔ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْءً اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً (احزاب) تو کہہ کہ کون ہے جو تم کو بچائے اللہ سے اگر چاہے تم پر برائی۔ یا چاہے تم پر مہربانی۔ اس میں فرقہ قدریہ اور معتزلہ کا رد ہے جو کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے ایمان کا ارادہ کرتا ہے۔ مگر مومن اسکے ارادہ کے مطابق ایمان لے آتا ہے، کافر ایمان نہیں لاتا انہیں یہ خدشہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو مرید کفر ٹھہرایا جائے تو یہ اللہ کی جانب غلط انتساب ہے، مگر ان کی یہ بات جہالت پر مبنی ہے۔ اور خلق اور کسب کے درمیان فرق نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔

## خَلْق اور کَسْب کا فرق:

افعال عباد کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) افعال اضطراریہ یعنی وہ افعال جو بندہ سے اس کے ارادہ کے بغیر صادر ہوتے ہیں جیسے اس شخص کی حرکت جسے رعشہ کا عارضہ ہو اس طرح کے افعال صرف اللہ کی مخلوق ہیں۔ ان کے صدور میں بندہ کی قدرت اور اختیار کو کوئی دخل نہیں (۲) افعال اختیاریہ وہ افعال جو بندہ کے ارادہ و اختیار سے صادر ہوتے

ہیں۔ جیسے کفر۔ایمان۔ نماز۔طاعت ومعصیت۔ یہ محل اختلاف ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک بندوں کے افعال اختیاریہ بندے اور خداتعالیٰ دونوں کی قدرت سے وجود میں آتے ہیں بندہ کی قدرت کا تعلق کسب سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق خلق سے ہے خلق اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور وہ بندے کے اندر عمل کی قدرت کے پیدا کرنے کا نام ہے۔ کسب بندہ کا فعل ہے۔ یعنی خدا کی دی ہوئی قدرت کو استعمال کرنا، بندہ جب اللہ کی دی ہوئی اس قدرت کو (جو حادث ہے) استعمال کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت قدیمہ سے وہ عمل موجود فرمادیتے ہیں۔ اور کسی چیز کو موجود کرنے اور پیدا کرنے کیلئے اس چیز کے تفصیلی احوال کا جاننا ضروری ہے، اور یہ صفت صرف خدا کی ذات میں موجود ہے۔ بندہ میں یہ صفت نہیں پائی جاتی اس لئے اللہ تعالیٰ خالق افعال اور بندہ کاسب افعال کہلاتا ہے، اور چونکہ بندے میں قدرت واختیار باقی ہے اس لئے اس کو افعال کا مکلف بنانا صحیح ہے۔ اور جب بندہ اچھے برے اعمال کا کاسب ہے، تو مدح وذم، اور ثواب وعقاب کا مستحق ٹھہرانا بھی درست ہے۔

(۸) اسباب علم تین ہیں۔ (۱) حواس سلیمہ۔ (۲) عقل۔ (۳) خبر صادق۔ حواس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ظاہری۔ (۲) باطنی۔ حواس ظاہری پانچ ہیں۔ (۱) سمع۔ سننے کی طاقت۔ (۲) بصر دیکھنے کی طاقت۔ (۳) شم سونگھنے کی طاقت۔ (۴) ذائقہ چکھنے کی طاقت۔ (۵) لمس چھونے کی طاقت۔ حواس باطنی بھی پانچ ہیں۔ (۱) حس مشترک وہ قوت جو ظاہری چیزوں کی صورت کو حاصل کرتی ہے۔ جیسے جامع مسجد کی صورت۔ (۲) قوۃ **متخیلہ** وہ قوت جس میں حس مشترک کے ذریعہ حاصل ہوئی صورتیں جمع ہوتی ہیں۔ (۳) قوۃ واہمہ۔ وہ قوت جس میں **وھم** کے ذریعہ حاصل شدہ چیزیں جمع رہتی ہیں۔ (۵) قوۃ **منصرفہ**۔ جو حاصل شدہ چیزوں میں جوڑ توڑ لگاتی رہتی ہے۔

انسان بہت سی چیزوں کا ادراک اپنے حواس ظاہری وباطنی کے ذریعہ کرتا ہے لیکن حواس کا یہ ادراک ایک مقام پر چل کر رک جاتا ہے۔ اسکے بعد یہ حواس کام نہیں

کرپاتے پھر انسان بہت سی چیزوں کا ادراک اپنی عقل کے ذریعہ کرتا ہے۔ مگر چونکہ بہت سی چیزیں عقل کی پرواز سے بھی بالاتر ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حواس اور عقل دونوں مادی چیزیں ہیں اس لئے ان کے ذریعہ صرف مادی چیزوں کا ادراک کیا جاسکتا ہے یہاں تک کہ علویات کے اجسام لطیفہ نورانیہ تک ان قوتوں کی رسائی نہیں ہے، جیسا کہ حضور ﷺ نے جنت کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ مَالَاعَيْنٌ رَأَتْ وَلَاأُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَاخَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَر۔ یعنی وہ نعمتیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال گذرا۔ حالانکہ جنت عالم علویات کی جسمانی چیز ہے۔ تو جب ان قوتوں کی رسائی اجسام نوری اور حقائق غیب تک نہیں ہے تو اللہ کی ذات تک ان کی رسائی کیسی ہو سکتی ہے۔ جو غیب مطلق ہے۔ جنید بغدادی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ ما خطر ببالک فهو هالک والله اجل من ذلک۔ جو خیال تیرے دل میں گذرے وہ ختم ہونے والا ہے اور اللہ کی ذات اس سے بالاتر ہے۔ یعنی وہ وہم وگمان سے منزہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَلَا يُحِيطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا (طہ) بندے اس کی ذات کا اپنے علم سے احاطہ نہیں کر سکتے۔

لغت کی کتاب "صحاح" میں وھم کے معنی گمان، ظن اور فھم کے معنی علم کے بیان کئے ہیں کہا جاتا ہے۔ تَوَهَّمْتُ الشَّئَ ظَنَنْتُهٗ وَفَهِمْتُ الشَّئَ عَلِمْتُهٗ۔ اس طرح آیت میں علم کی نفی سے فھم کی نفی ہو گئی۔ فَمَا ظَنُّكَ بِالْوَهْمِ۔ یعنی وھم کی نفی بدرجہ اولیٰ ہو گئی۔

(۹) وَلَا يُشْبِهُهُ الْاَنَامُ (۱۰) حَيٌّ لَا يَمُوْتُ قَيُّوْمٌ لَا يَنَامُ (۱۱) خَالِقٌ بِلَا حَاجَةٍ رَازِقٌ بِلَا مُؤْنَةٍ (۱۲) مُمِيْتٌ بِلَا مَخَافَةٍ بَاعِثٌ بِلَا مَشَقَّةٍ (۱۳) مَازَالَ بِصِفَاتِهٖ قَدِيْمًا قَبْلَ خَلْقِهِمْ لَمْ يَزْدَدْ بِكَوْنِهِمْ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ قَبْلَهُمْ مِنْ صِفَاتِهٖ وَكَمَا كَانَ بِصِفَاتِهٖ اَزَلِيًّا كَذٰلِكَ لَا يَزَالُ عَلَيْهَا اَبَدِيًّا.

**ترجمہ:** (۹) کوئی مخلوق اس کے مشابہ نہیں (۱۰) وہ ایسا زندہ ہے جس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ اور ایسا محافظ جس کو کبھی نیند نہیں آتی (۱۱) وہ سب کائنات کا خالق ہے اپنی کسی حاجت کے بغیر۔ بلا مشقت کے سب کو روزی دینے والا ہے۔ (۱۲) وہ سب کو موت کی نیند سلانے والا ہے۔ بغیر کسی کے ڈر کے دوبارہ زندہ کرنے والا ہے (مرنے کے بعد) بغیر کسی مشقت کے (۱۳) وہ ہمیشہ سے اپنی تمام ترصفات کے ساتھ قدیم ہے۔ مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ہی سے اضافہ نہیں ہوا اس کے کسی وصف میں مخلوق پیدا کرنے کے بعد کسی چیز کا جو مخلوق پیدا کرنے سے پہلے اس میں نہ ہو اور جیسے وہ اپنی جملہ صفات کے ساتھ ازلی ہے ایسے ہی جملہ صفات کے ساتھ ابدی ہے۔

**توضیح:** قیوم قیام سے نکلا ہے معنی کھڑا ہونا قائم کھڑا ہونے والے کو کہتے ہیں قیوم اور قیام مبالغہ کے صیغہ ہیں۔ جن کے معنی ہیں جو خود قائم رہ کر دوسروں کو قائم رکھے اور سنبھالے۔ اسی لئے قیوم حق تعالیٰ کی خاص صفت ہے جس میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہو سکتی کیونکہ جو چیزیں خود اپنے وجود و بقامیں کسی دوسرے کی محتاج ہوں وہ دوسری چیز کو کیا سنبھال سکتی ہے۔ اسی وجہ سے کسی انسان کو قیوم کہنا جائز نہیں۔ (معارف القرآن) ممیت باب افعال سے اسم فاعل مارنے والا۔ مُخافة مصدر باب س ڈرنا۔ باعث باب ف اسم فاعل المیت دوبارہ زندہ کرنیوالا۔ مَشقة میم کے زیر اور زبر کے ساتھ دشواری۔ محنت جمع مشاق۔ ومشقات۔ صفات صفت کی جمع ہے۔ وہ اسم جو ذات کے احوال بتائے جیسے چھوٹا بڑا ہونا وغیرہ۔ قدیم پرانا جمع قدماء۔ ازلیا ازلی قدیمی وہ ذات جس کے وجود کی ابتداء نہ ہو۔ ابدیا ابدی وہ ذات جسکے وجود کی انتہاء نہ ہو۔

**تشریح:** (۹) ارشاد باری ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ کوئی شی اسکے مشابہ نہیں جس کے ساتھ اسکو تشبیہ دی جاسکے۔ یہ نفی ذات صفات۔ افعال ہر اعتبار سے عام ہے۔ کیونکہ : جود۔ قدرت۔ علم۔ سمع۔ رویت۔ عروج

ونزول ضحک۔ عرش پر قیام وغیرہ صفات اگرچہ بندوں میں بھی ہیں اور ذات باری تعالیٰ میں بھی مگر بندوں میں ان کی شان کے اعتبار سے اور اللہ تعالیٰ میں اسکی عظیم شان کے اعتبار سے، اسلئے بندوں کے افعال حتی کہ ذات وصفات اللہ کی ذات وصفات اور افعال سے کسی طرح مشابہ نہیں ہیں۔ (شرح فقہ اکبر) اس میں مصنف نے ان فرق ضالہ کی تردید کی ہے جو اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔

(۱۰) ارشاد باری ہے۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ۔ (فرقان) اس زندہ رہنے والی ذات پر بھروسہ کر جس کو کبھی موت نہیں آئیگی۔ کیونکہ موت مخلوق کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ تو خود خالق موت ہے۔ خالق کی صفت ہے ازلی اور ابدی ہونا۔

ارشاد باری ہے۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ (بقرہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ زندہ رہنے والا محافظ نہیں پکڑ سکتی اسکو اونگھ اور نہ نیند۔ "سنۃ" کے معنی اونگھ اور نیند کے آثار کے ہیں اور "نوم" مکمل نیند کو کہتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں موت کے مشابہ ہیں اور انکی وجہ سے زندگی میں نقص پیدا ہوتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ کی ذات جملہ عوارضات سے پاک وصاف ہے۔ اور اس کی زندگی کمال حیات اور حیات ابدی کے ساتھ متصف ہے۔ جو پورے عالم کے نظام کو تھامے اور سنبھالے ہوئے ہے دیگر مخلوق کی طرح اتنا بڑا کام نہ اس کے لئے مشکل ہے اور نہ تھکان کا باعث ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا (بقرہ) نہیں تھکاتی اس کو ان دونوں کی حفاظت۔

(۱۱) ارشاد باری ہے۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (زمر) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ (لقمان) یہ (آسمان وزمین وغیرہ) اللہ کی مخلوق ہے۔ پس مجھے بتلاؤ اسکے علاوہ نے کیا پیدا کیا۔ معلوم ہوا خالق صرف اللہ کی ذات ہے۔ کوئی مخلوق خالق نہیں ہوسکتی کیونکہ پیدا کرنے کا مطلب ہے۔ شئی کو وجود دینا۔ اور وجود وہی دے سکتا ہے۔ جس کا وجود ذاتی ہو خارجی نہ

ہو۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ اس کا وجود ذاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے۔ اس لئے مخلوق کا پیدا کرنا اپنی کسی حاجت وضرورت کی وجہ سے نہیں۔ یہ تو اس کی شان صمدیت کے منافی ہے۔ بلکہ یہ تخلیق صرف اس کا فضل ہے۔ تاکہ بندگان خدا پر اس کی فیاضی۔ اور عدل و فضل کا ظہور ہو۔ اور مخلوق کی نیاز مندی اور خالق کی بے نیازی ظاہر ہو۔ ارشاد باری ہے مَاۤ اُرِیۡدُ مِنۡهُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ وَّمَاۤ اُرِیۡدُ اَنۡ یُّطۡعِمُوۡنِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّةِ الۡمَتِیۡنِ۔ (ذریات) میں نہیں چاہتا ان سے روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا۔ زور آور۔ مضبوط۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الۡغَنِیُّ (فاطر) اے لوگو تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز ہے۔ رہی عبادت جس کو قرآن مجید میں تخلیق کا مقصد بتایا ہے۔ تو یہ خداوند تعالیٰ کی معبودیت اور بندگان خدا کی عبدیت ظاہر کرنے کیلئے ہے جس میں بندوں کی منفعت کا خیال رکھا گیا ہے۔ تاکہ وہ اللہ کی عبادت اور اعمال صالحہ کر کے اللہ کی رضاء حاصل کریں اور انعام واکرام کے مستحق بنیں۔ ارشاد باری ہے۔ مَنۡ عَمِلَ فَلِنَفۡسِهٖ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَیۡهَا۔ جس نے نیک عمل کیا تو اپنے لئے۔ اور جس نے برا عمل کیا تو اسکا وبال اسی پر ہے۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

اللہ تعالیٰ کی طاقت تمام کائنات پر عیاں ہے۔ عالم کا یہ روز افزوں نظام اس کی قدرت کا ظہور ہے کھانے والی مخلوق کی تعداد جس قدر بڑھتی ہے۔ غذائیں اور خوراک اس سے زیادہ مقدار میں پیدا کر دی جاتی ہیں۔ ہر فرد بشر اس کا بالیقین مشاہدہ کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے رزق رسانی حبہ برابر مشکل نہیں۔ اس کو کمال قوت اور کمال قدرت حاصل ہے۔ اس کی قدرت کی شان تو یہ ہے۔ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡئًا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ۔

(۱۲) جس طرح اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں مخلوق کا پیدا کرنا ہے۔ موت

وزندگی بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جس کو جب چاہتا ہے موت کی نیند سلادیتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے یتیم بنادیتا ہے جس کو چاہتا ہے بیوہ کردیتا ہے۔ جب چاہتا ہے خاندان صاف کردیتا ہے۔ جب چاہتا ہے بستیاں خالی کردیتا ہے۔ اور اس عمل میں نہ اس کو کسی کا خوف نہ ڈر نہ کسی کی معترت کا اندیشہ اسلئے کہ خوف ومعترت عجز کی دلیل ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات قادر مطلق ہے عجز سے بالاتر ہے۔ جیسے بادشاہان دنیا کو کسی بڑی قوم یا جماعت کو سزا دینے کے بعد احتمال ہوتا ہے۔ کہ کہیں ملک میں شورش برپا نہ ہوجائے۔ یا ملکی انتظام میں خلل واقع نہ ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ ایسی کونسی طاقت ہے جو سزا یافتہ مجرموں کا انتقام لینے کیلئے اس کا پیچھا کرے گی۔ العیاذ باللہ۔ پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کے تمام احوال سے بخوبی واقف ہے۔ اسی کے لحاظ سے اس نے عمریں مقدر فرمائی ہیں۔ جب اس کی عمر پوری ہوجاتی ہے تو فیصلہ خداوندی کے مطابق موت اس کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے۔ معلوم ہوا کہ موت وزندگی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَلَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتاً وَّلَا حَیٰوۃً وَّلَا نُشُوْراً (فرقان) اور نہیں مالک ہیں وہ مرنے کے اور نہ جینے کے اور نہ جی اٹھنے کے۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ (ملک) اللہ وہ ذات ہے جس نے موت وحیات کو پیدا کیا۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا برحق ہے۔ جس نے تمام مخلوقات کو بغیر کسی نمونہ کے اپنے نظام کن فیکون کے ذریعہ پیدا کردیا۔ اس کے لئے دوبارہ ان ریزوں کو جمع کرنا اور پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ جبکہ خود خالق کائنات فرمارہا ہے۔ وَاَنَّ السَّاعَةَ آتِیَةٌ لَّارَیْبَ فِیْهِ وَاَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ زندہ کرے گا جو قبروں میں ہیں۔ وَذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ۔ اور یہ (دوبارہ پیدا کرنا) اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ اسلئے کہ بعث نام ہے۔ اعادہ کا یعنی شئی کو اس کی پہلی حالت پر لوٹانے کا۔ ارشاد باری ہے۔ کَمَا اَنْشَأَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ جیسا کہ ہم نے اس کو پہلی مرتبہ پیدا

کیا۔ معلوم ہوا کہ جوذات کسی شئ کی تخلیق پر بلا مشقت قادر ہے وہ اعادہ پر بلا مشقت بدرجۂ اولیٰ قادر ہے ورنہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کا ضعیف ہونا لازم آئے گا جو اس کی قدرت کاملہ کے منافی ہے۔

(۱۳) قرآن کریم کی اصطلاح میں اللہ صرف ذات یا صرف صفات باری کا نام نہیں ہے بلکہ ذات وصفات دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم اور ازلی ہے اس کی صفات بھی ازلی ہیں۔ یعنی مخلوق کو پیدا کرنے۔ مارنے جلانے۔ رزق دینے وغیرہ کی یہ تمام صلاحیتیں اللہ تعالیٰ میں ازل سے موجود ہیں۔ مخلوق کے پیدا کرنے کی وجہ سے اس کو خالق یا رزق دینے کی وجہ سے اس کو رازق۔ یا موت دینے کی وجہ سے اس کو ممیت نہیں کہا جاتا۔ بلکہ وہ ازلی طور پر خالق ورازق ہے۔ کسی شئ کو پیدا کرنے کی وجہ سے اس کی کسی صفت میں اضافہ نہیں ہوتا اور نہ کسی شئ کو ختم کرنے کی وجہ سے اسکی کسی صفت میں کمی آتی۔ بلکہ وہ ذات کی طرح قَبْلَ الْخَلْقِ وَبَعْدَ الْخَلْقِ۔ قدیم الصفات ہے۔ اس لئے کہ اگر مخلوق کو پیدا کرنے کی وجہ سے اس کو خالق کہا جائیگا تو خالق پر مخلوق کا مقدم ہونا لازم آئے گا۔ جبکہ خالق مخلوق پر مقدم ہے جس کی وجہ سے تخلیق عمل میں آتی ہے۔ اور اگر بلا خالق کسی شئ کی تخلیق عمل میں آئے۔ تو لازم آئے گا کہ ذات باری کی طرح وہ حادث نہ ہو۔ حالانکہ یہ بھی باطل ہے۔ کما مر تفصیلہ۔ اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ذات وصفات دونوں اعتبار سے ازلی اور قدیم ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا اشیاء ممکنہ کے ساتھ ایک تعلق ہے وہ یہ کہ اگر وہ اشیاء معدوم ہیں۔ تو تعلق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل ہی سے ان کو جانتا ہے۔ اور ان کے پیدا کرنے۔ حفاظت وتربیت کرنے۔ اور ان کی موت وزندگی پر قادر ہے اور اگر وہ اشیاء موجود ہیں تو تعلق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انکو بنایا اور پیدا کیا ہے۔ اور جب تک چاہے گا ان کو باقی رکھے گا جیسے کاتب حالت کتابت میں کاتب بالفعل ہے۔ لیکن اگر وہ کتابت نہ کرے تو پھر بھی وہ کاتب بالقوہ ہے۔ کیونکہ کتابت کی صفت اس کے ساتھ قائم ہے۔ جب چاہے وہ کتابت کر سکتا ہے۔

(١٤) لَيْسَ مُنْذُ خَلَقَ الْخَلْقَ اِسْتَفَادَ اِسْمَ الْخَالِقِ وَلَا بِاِحْدَاثِهِ الْبَرِيَّةَ اِسْمَ الْبَارِي لَهُ مَعْنَى الرَّبُوْبِيَّةِ وَلَامَرْبُوْبَ وَمَعْنَى الْخَالِقِيَّةِ وَلَامَخْلُوْقَ وَكَمَا اَنَّهُ مُحْيِ الْمَوْتٰى بَعْدَ مَا اَحْيٰ اِسْتَحَقَّ هٰذَا الْاِسْمَ قَبْلَ اِحْيَائِهِمْ كَذٰلِكَ اِسْتَحَقَّ اِسْمَ الْخَالِقِ قَبْلَ اِنْشَائِهِمْ۔

**ترجمہ:** اس نے مخلوق پیدا کرنے کے بعد اپنے لئے خالق کا نام وضع نہیں کیا اور نہ ہی مخلوق کو وجود میں لا کر باری کا نام اختیار کیا بلکہ اس کے لئے ربوبیت کی صفت اس وقت سے ہے جبکہ کوئی مربوب (پلنے والا) بھی نہیں تھا اور خالقیت کی صفت اس وقت سے ہے جبکہ کوئی مخلوق بھی نہیں تھی اور جیسا کہ وہ مردوں کو زندہ کرنے کے بعد محی (زندہ کرنے والا) کہلاتا ہے بعینہ وہ ان کے زندہ کرنے سے پہلے بھی اس نام کا مستحق ہے۔ اسی طرح ان کے (مخلوق) کے پیدا کرنے سے پہلے ہی خالق نام کی مستحق ہے۔

**توضیح:** استفاد باب استفعال حاصل کرنا۔ احداث باب افعال ایجاد کرنا۔ پیدا کرنا۔ بریۃ۔ مخلوق جمع برایا۔ باری خالق۔ پیدا کرنے والا۔ مربوب اس مفعول جس کی تربیت کیجائے۔ انشاء۔ باب افعال۔ پیدا کرنا۔

**تشریح:** (۱۴) قرآن کریم میں صفات باری تعالیٰ کو ماضی مطلق کے صیغہ کے ذریعہ باری تعالیٰ کی جانب منسوب کیا ہے۔ اور اس کی ذات کے لئے انہیں ثابت کیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْماً. كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيْطاً. كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْراً وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعاً بَصِيْراً وغیرہ۔ ان آیات سے اس جانب صاف اشارہ ہو گیا کہ یہ صفات باری تعالیٰ کے لئے ازل ہی سے ثابت ہیں۔ ارشاد باری ہے هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى (حشر) وہ اللہ ہے بنانے والا نکال کھڑا کرنے والا صورت بنانے والا اسی کے سب نام خاصے۔ اس رکوع میں تمام صفات باری

کو ماضی حال مستقبل کسی زمانے کے ساتھ مقید نہیں کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ قَبْلَ الْخَلْقِ (ازل میں) بھی ان صفات کے ساتھ متصف ہے۔ اور بَعْدَ الْخَلْقِ (ابد میں) بھی۔

(۱۵) ذٰلِكَ بِاَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَكُلُّ شَيْءٍ اِلَيْهِ فَقِيْرٌ وَكُلُّ اَمْرٍ عَلَيْهِ يَسِيْرٌ لَايَحْتَاجُ اِلٰى شَيْءٍ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْئٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ.

**ترجمہ:** یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور ہر چیز اس کی محتاج ہے اور ہر کام اس کے لئے آسان ہے وہ کسی شی کا محتاج نہیں۔ اس کے مشابہ کوئی چیز نہیں۔ وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

**تشریح:** (۱۵) اس عبارت کے ذریعہ مصنف علیہ الرحمۃ کا مقصد صفات باری تعالیٰ کو ازلی ثابت کرنا اور فرق باطلہ کی تردید ہے۔ چنانچہ "شیئٌ قدیرٌ" میں معتزلہ کا رد ہے کہ وہ بندے کو خالق افعال کہتے ہیں۔ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْئٌ۔ سے مشبہ کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور ھو السمیع البصیر کے ذریعہ معطلہ کی تردید ہے جو صفات باری کا انکار کرتے ہیں۔

(۱۶) خَلَقَ الْخَلْقَ بِعِلْمِهٖ (۱۷) وَقَدَّرَلَهُمْ اَقْدَارًا (۱۸) وَضَرَبَ لَهُمْ آجَالًا (۱۹) لَمْ يَخْفَ عَلَيْهِ شَيْئٌ قَبْلَ اَنْ خَلَقَهُمْ وَعَلِمَ مَاهُمْ عَامِلُوْنَ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَهُمْ (۲۰) وَ اَمَرَهُمْ بِطَاعَتِهٖ وَنَهَاهُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهٖ.

**ترجمہ:** اس نے (اللہ تعالیٰ نے) مخلوق کو اپنے علم (ازلی) سے پیدا کیا۔ (۱۷) اور ان کی تقدیریں بنائیں۔ (۱۸) اور ان (مخلوق میں ہر ایک) کا آخری وقت مقرر کیا۔ (۱۹) ان (مخلوق کو) پیدا کرنے سے پہلے اس پر کوئی چیز مخفی

نہیں تھی اور وہ ان کے پیدا کرنے سے پہلے یہ جانتا تھا کہ وہ (اپنی زندگی میں) کیا کچھ کرنے والے ہیں۔ (۲۰) اس نے بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا اور نافرمانی سے روکا۔

**توضیح:** خَلَقَ بمعنی اَوْجَدَ وانشأ کبھی قدر کے معنی میں بھی آتا ہے بعلمہ حال ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہے۔ ای خَلَقَهُمْ عالماً بِهِمْ قَدَّرَ باب تفعیل سے کسی چیز کا فیصلہ کرنا۔ اندازہ مقرر کرنا۔ اقدار قدر کی جمع ہے۔ معنی انتہاء قدر کا مفعول بہ ہے۔ آجال اجل کی جمع ہے۔ عمر کی مقدر مدت۔ طاعت بخوشی امر کی بجا آوری۔ معصیۃ بالارادہ حکم کی نافرمانی۔

**تشریح:** (۱۶) اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے۔ وہ اپنی مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہی جانتا ہے۔ کیونکہ خالق کے لئے لازم ہے کہ وہ مخلوق کے تفصیلی احوال سے واقف ہو ورنہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کا جاہل ہونا لازم آئے گا۔ جبکہ مخلوق کو جو علم و کمال حاصل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا ہی دیا ہوا عطیہ ہے۔ اسی کے ذریعہ بندے راہیاب ہوتے ہیں تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جو دوسروں کو علم و کمال عطا کرے۔ خود اس سے خالی ہو۔ بلکہ اس کی شان تو یہ ہے کہ اس کا علم ہر چیز کو حاوی ہے، خواہ وہ موجود ہو یا غائب ہو۔ ارشاد باری ہے۔ هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وہ غیب و حاضر کا جاننے والا ہے۔ رَبُّنَا الَّذِيْ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ) ہمارا رب وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اس کی صورت پھر راہ سجھائی۔

(۱۷) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایک خاص انداز میں بنایا۔ اور جس چیز کو جن افعال کے لئے پیدا کیا اس سے وہی افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ اعضاء کا تناسب اور فطری موزونیت کا پورا لحاظ رکھا جس کو دیکھ کر ہر انسان کہہ اٹھتا ہے۔ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (نمل) کاری گری اللہ کی جس نے درست کیا ہر چیز کو۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ

ارشاد باری ہے۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اس کو ناپ کر۔

(١٨) اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوق فنا ہو گی۔ ان کے فنا ہونے کا ایک وقت مقرر ہے جس میں تقدیم و تاخیر کی گنجائش نہیں مرنے والا خواہ اپنی طبعی موت مرے یا کوئی اسے قتل کرے ہر صورت میں وقت مقررہ پر موت آئے گی۔ رہا قاتل قتل کی سزا ملنا تو وہ اس کو اس کے جرم کا ارادہ اور کسب کی وجہ سے دی جائے گی اس وجہ سے نہیں کہ اس نے قتل کر کے اس کو وقت سے پہلے موت کی نیند سلا دیا بلکہ اس کی موت اس کے مقررہ وقت پر واقع ہوئی ہے۔ کوئی مخلوق اپنے وقت سے پہلے ختم نہیں ہو سکتی۔ ارشاد باری ہے۔ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (قمر) ہم نے ہر چیز بنائی پہلے ٹھہرا کر۔ مَاخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى۔ نہیں بنائے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین اور جو ان دونوں کے بیچ میں ہے۔ مگر صحیح طریقہ پر۔ اور وعدہ مقرر پر۔ قرآن کریم نے عالم کی کچھ مخصوص چیزوں مثلاً۔ جن۔ بشر۔ ملک۔ فلک۔ وغیرہ کی مدتوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

(١٩) اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ غیب و حاضر کا جاننے والا ہے اس کو مَا كَانَ اور مَا يَكُوْنُ (جو ہو چکا اور جو ہو گا) کا مکمل علم ہے۔ وہ ازل ہی سے مخلوق کے تفصیلی احوال سے باخبر ہے۔ اسلئے کہ مخلوق سے جو افعال صادر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (صافات) اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔

اس میں روافض اور قدریہ کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ان کے اعمال کا علم نہیں ہوتا۔

(٢٠) اللہ تعالیٰ کا انسان کو اشرف المخلوقات بنانا۔ عقل و فہم سے مالا مال کرنا۔ کسب و اختیار کی قوت عطا کرنا۔ ایک خاص مقصد کے لئے ہے وہ یہ کہ انسان آزاد نہیں ہے بلکہ وہ اطاعت و عبادت خداوندی کا مکلف ہے۔ اور احکام شرع کا پابند ہے اسی لئے اسکو باقاعدہ ایک شریعت اور طریقہ دیا گیا ہے۔ تاکہ وہ اپنے خالق کی اطاعت و عبادت کرنے اور نامرضیات سے احتیاط و اجتناب کو زندگی کا مشغلہ بنا کر رہے۔ ارشاد

باری ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ میں نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَيَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ (نحل) بلاشبہ اللہ تعالیٰ۔ عدل۔ احسان۔ قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور فحش ومنکر اور ظلم وجنایت سے منع کرتا ہے۔ قرآن کریم اوامر ونواہی سے بھرا ہوا ہے۔ اور رسول اللہؐ کے اوامر ونواہی بھی اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی ہیں۔

(۲۱) كُلُّ شَيْءٍ يَجْرِی بِقُدْرَتِهٖ وَمَشِيَّتُهٗ تَنْفُذُ لَامَشِيَّةَ لِلْعِبَادِ اِلَّا مَا شَاءَ لَهُمْ فَمَا شَاءَ لَهُمْ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْلَمْ يَكُنْ (۲۲) يَهْدِی مَنْ يَّشَاءُ وَيَعْصِمُ وَيُعَافِی فَضْلًا وَيُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَخْذُلُ وَيَبْتَلِی عَدْلًا۔ (۲۳) وَكُلُّهُمْ يَتَقَلَّبُوْنَ فِی مَشِيَّتِهٖ بَيْنَ فَضْلِهٖ وَعَدْلِهٖ۔

**ترجمہ:** (۲۱) ہر چیز اس کے نظام قدرت کے مطابق چلتی ہے اور (اس جہان میں) اسی کی مشیت نافذ العمل ہے۔ بندوں کی کوئی مشیت نہیں ہوتی ہے مگر جو اللہ تعالیٰ ان کے لئے چاہے۔ (۲۲) وہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے ہدایت دیتا حفاظت کرتا اور مصیبت دور کرتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے اپنے عدل وانصاف کی بنیاد پر گمراہ کرتا۔ رسوا کرتا اور آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔ (۲۳) اور تمام دنیا اس کی مشیت (حکومت میں) اس فضل وکرم اور عدل وانصاف کے درمیان (زندگی کے مختلف مسائل سے) دوچار ہے۔

**توضیح:** قدرت۔ فعل یا ترک فعل کی طاقت تقدیر الہٰی۔ مشیت۔ ارادہ خواہش۔ یعصم باب ض حفاظت کرنا۔ یُعافی باب مفاعلت سے۔ مصیبت دور کرنا۔ فضلا فضل سے ابتداءً احسان بلاعلت۔ یعنی بندے کو وہ چیز دینا جس کا وہ اپنی ذات کے اعتبار سے مستحق نہیں۔ اور ایسی نعمتیں عطا کرنا جن کا وہ اپنی

شان کے لحاظ سے مستحق نہیں۔ یُضِل۔ باب افعال سے گمراہ کرنا۔ یخذل باب ن مدد چھوڑنا۔ رسوا کرنا۔ یبتلی باب افتعال سے آزمائش کرنا۔ فضلا وعدلا۔ مفعول لہ ہیں۔ یتقلبون باب تفعل سے پلٹنا۔

**تشریح:** (۲۱) اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے جملہ امور کو تقدیر یعنی اپنے نظام قدرت سے وابستہ کر دیا ہے۔ چنانچہ مومن کا ایمان۔ کافر کا کفر فاسق کا فسق غنی کی مالداری۔ فقیر کی فقیری۔ نفع نقصان سب تقدیر الٰہی کے مطابق ظہور میں آتے ہیں۔ اور جس مخلوق کو جو کام سپرد کر دیا۔ وہ اسی کے لئے مسخر ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (یس) اور سورج چلا جاتا ہے اپنے ٹھہرے ہوئے رستہ پر۔ یہ سادھا ہے زبردست باخبر نے۔ وَالْفُلْكُ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ (ج) اور کشتیاں چلتی ہیں دریا میں اسی کے حکم سے۔

ہر چیز کے اندر اللہ تعالیٰ کی مشیت نافذ العمل ہے۔ بندہ اگر کسی چیز کے کرنے کا ارادہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل حال نہ ہو تو وہ چیز محض بندہ کے ارادہ سے وجود میں نہیں آسکتی اور اگر بندہ نے ارادہ بھی نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ اسکو موجود کرنے کا ہے۔ تو وہ شی موجود ہو جاتی ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ (دھر) اور تم نہیں چاہو گے مگر جو چاہے اللہ تعالیٰ۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

فَمَا شِئْتَ كَانَ وَاِنْ لَّمْ اَشَأْ وَمَاشِئْتُ اِنْ لَّمْ تَشَأْ لَمْ تَكُنْ

معلوم ہوا مومن کا ایمان کافر کا کفر وغیرہ مخلوق کے جملہ امور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے ماتحت ہیں۔ البتہ کافر کا کفر وغیرہ معصیتیں مراد الٰہی تو ہیں مگر ان کے ساتھ رضاء الٰہی وابستہ نہیں۔ ارشاد باری ہے۔ لَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے کفر سے راضی نہیں۔

(۲۲) مجموعہ عالم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ہر تخلیق عمل حسن ہے۔ خواہ اچھی چیزوں کی تخلیق ہو یا بری چیزوں کی۔ جس طرح طیبات اور حلال و پاک چیزیں اسکی

پیدا کی ہوئی ہیں۔ اور خنزیر جیسی نجس العین مخلوق بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اسی طرح ہدایت وضلالت کا خالق بھی وہی ہے کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے:۔

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں — کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانہ میں

اس لئے اللہ تعالیٰ پر واجب اور ضروری نہیں ہے۔ کہ بندوں کیلئے وہی کام کرے جو اس کیلئے اصلح اور بہتر ہو۔ بلکہ وہ اگر بندوں کو ہدایت دے۔ اور بلا استحقاق ان کو عطاء کرے۔ ان پر مزید احسان کرے۔ انکی حفاظت کرے۔ انہیں گناہوں سے محفوظ رکھے۔ تو یہ محض اس کا فضل وکرم ہے۔ اور اگر وہ کسی کو گمراہ کردے تو یہ اس کا عین عدل وانصاف ہے۔ ارشاد باری ہے۔ فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ (انعام) سو جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے۔ تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کا سینہ نہایت تنگ کر دیتا ہے۔ گویا وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر۔

رہا کفر وفسق وغیرہ پر سزا و مواخذہ تو وہ بندے کے کسب واختیار پر ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کسب واختیار دے کر ایک اچھے اعمال کرنے اور برے اعمال سے رکنے کا مکلف بنایا ہے۔ اسی لئے وہ اعمال صالحہ کی صورت میں انعام واکرام سے نوازتا ہے جو اس کا فضل ہے اور اعمال سیہ کی صورت میں مواخذہ فرماتا ہے جو اس کا عدل ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (شوریٰ) اور تمہیں جو مصیبت لاحق ہوتی ہے۔ سو تمہارے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے۔ اور وہ بہت سے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ (اپنے فضل سے)

(۲۳) تمام کائنات اللہ کی مخلوق اور اس کی بیاری ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت واجبی حق ہے۔ جس کی بجاآوری واجب العمل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس اطاعت وعبادت پر اجر وثواب عطا نہ کرے تو یہ اس کا عدل ہے۔ کیونکہ مخلوق عبادت کی وجہ سے اجر وثواب کی مستحق نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اس کی ادائیگی واجب ہو۔ لیکن اگر اللہ

تعالیٰ بندوں کی عبادت وغیرہ سے راضی ہو کر انہیں اجر و ثواب اور انعام و اکرام عطا فرمادے تو یہ اس کا فضل ہے۔ کہ بلا استحقاق یہ انعام حاصل ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی انسان اعمال صالحہ کی بنیاد پر جنت کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا اپنے فضل سے جنت میں داخل کرے گا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا مستحق اعمال صالحہ کرنے والا مومن ہی ہوگا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ اعمال سیئہ کرنے والے کو سزا نہ دے معاف کردے۔ تو یہ اس کا بڑا فضل ہے۔ کیونکہ وہ معافی کا مستحق نہیں تھا۔ اور اگر وہ اس کو جنایت کی بقدر سزا دے تو یہ اس کا عدل ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے۔ کہ نیکیوں پر فضل کی بارش کرتا ہے۔ اور ایک نیکی کا اجر کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔ اور برائیوں پر یا تو عفو و درگذر کا پردہ ڈالدیتا ہے یا نظام عدل کا مظاہرہ کرتا ہے۔ کہ جنایت کی بقدر سزا دیتا ہے۔ اور کائنات کا سارا نظام اسی فضل و عدل کے درمیان جاری ہے۔ ارشاد باری ہے۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (انعام) جو کوئی لاتا ہے ایک نیکی تو اس کے لئے اس کا دس گنا ہے۔ اور جو کوئی لاتا ہے ایک برائی سو سزا پائے گا اسی کے برابر اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ فَالنِّعْمَةُ فَضْلٌ۔ وَالْمُصِيْبَةُ عَدْلٌ۔

(۲۴) لَا رَادَّ لِقَضَائِهٖ وَلَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَلَا غَالِبَ لِاَمْرِهٖ (۲۵) وَهُوَ مُتَعَالٍ عَنِ الْاَضْدَادِ وَالْاَنْدَادِ. (۲۶) آمَنَّا بِذٰلِكَ كُلِّهٖ وَاَيْقَنَّا اِنَّ كُلًّا مِنْ عِنْدِهٖ.

**ترجمہ:** (۲۴) اسکی قضاء و قدر کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اس کے حکم کا کوئی تعاقب نہیں کرسکتا اور اس کے فیصلوں پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ (۲۵) وہ ذات ہمسروں اور شرکاء سے بالاتر ہے۔ (۲۶) ہم مکمل اس پر ایمان رکھتے ہیں اور کامل یقین رکھتے ہیں کہ ہر چیز اسی کی طرف سے ہوتی ہے۔

**توضیح:** رادّ باب (ن) سے اسم فاعل لوٹانا۔ معقب باب تفعیل سے اسم

فاعل پیچھا کرنے والا۔ اضداد ضد کی جمع ہے۔ مقابل۔ ہمسر۔ انداد ند کی جمع ہے۔ مثل شریک۔ کُلاً تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ کُلُّ کَائِنٍ مُحْدِثٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ۔ یعنی ہر محدث کا وجود و ظہور من جانب اللہ ہے۔

**تشریح:** (۲۴) اللہ تعالیٰ کی قدرت کامل اور سب پر غالب ہے۔ اور سب اس کے سامنے عاجز ہیں اس لئے اس کے فیصلہ پر نہ کوئی غالب آسکتا ہے نہ اس کا کوئی تعاقب کرسکتا۔ نہ اس کو کوئی ٹال سکتا۔ ارشاد باری ہے۔ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَوَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ (یونس) اور اگر پہنچاوے تجھ کو اللہ کچھ تکلیف تو اس کے سوا اس کو کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ اور اگر پہنچانا چاہے تجھ کو کوئی بھلائی۔ تو اس کے فضل کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ فَاللّٰہُ یَحْکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ (یوسف) سو اللہ فیصلہ کرتا ہے۔ اس کے فیصلہ کا کوئی تعاقب نہیں کر سکتا۔ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ (یوسف) اللہ تعالیٰ اپنے امر پر غالب ہے۔ (۲۵) اللہ تعالیٰ بندوں اور ان کے افعال کا خالق ہے۔ اور تمام چیزوں کا مالک ہے۔ یہ صفت کسی اور میں نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا کوئی مقابل۔ شریک اور ہمسر بھی نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُواً اَحَدٌ اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا (بقرہ) اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ ھَلْ مِنْ شُرَکَائِکُمْ مَنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِکُمْ مِنْ شَیْءٍ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (روم) کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ان میں سے کچھ بنا سکتا ہے۔ اس کی ذات اوپر ہے ان سے جن کو وہ شریک کرتے ہیں۔

اس میں معتزلہ کا رد مقصود ہے۔ جو بندوں کو افعال کا خالق مانتے ہیں جبکہ اس میں دو خرابیاں آتی ہیں (۱) شرک لازم آتا ہے (۲) اللہ کا مقابل ہونا لازم آتا ہے کیونکہ بندہ جب اپنے فعل کا خالق ہوگا۔ اور اس کو کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے نہ کرنے کا ہوگا تو بندہ کا فعل ارادہ خداوندی کے بغیر وجود میں آئیگا۔ جس سے اللہ کا مقابل

ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ ذات خداوندی۔ شرک و مقابل دونوں سے بالاتر ہے۔

(۲۶) اہل ایمان پر واجب ہے کہ شریعت میں عقائد سے متعلق جو باتیں بیان کی گئی ہیں مثلاً یہ کہ سب امور تقدیر الٰہی سے وابستہ۔ اور اسکی مشیت کے ماتحت ہیں۔ ان تمام باتوں پر ایمان لائے۔ اور پختہ اعتقاد رکھے کہ یہ سب منجاب اللہ ہے۔

(۲۷) وَاَنَّ مُحَمَّداً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدُهُ الْمُصْطَفٰى وَنَبِيُّهُ الْمُجْتَبٰى وَرَسُوْلُهُ الْمُرْتَضٰى (۲۸) وَاِنَّهٗ خَاتِمُ الْاَنْبِيَاءِ وَاِمَامُ الْاَتْقِيَاءِ وَسَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَحَبِيْبُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (۲۹) وَكُلُّ دَعْوَةِ نُبُوَّةٍ بَعْدَ نُبُوَّتِهٖ فَغَيٌّ وَهَوًى.

**ترجمہ:** (۲۷) اور بلا شبہ محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ بندے۔ منتخب نبی۔ اور پسندیدہ رسول ہیں۔ (۲۸) اور آپ خاتم الانبیاء متقیوں کے پیشوا۔ تمام رسولوں کے سردار۔ اور حبیب رب العٰلمین ہیں۔ (۲۹) آپ کی نبوت کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ گمراہی اور نفس پرستی (جہالت) ہے۔

**توضیح:** اِنَّ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اِنَّ اللّٰه وَاحِدٌ الخ پر عطف ہے۔ جو نَقُوْلُ کا مفعول ہے۔ محمد قرآن مجید میں آپ کے دو نام بیان کئے گئے ہیں (۱) محمد (۲) احمد۔ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ (محمد) وَمُبَشِّراً بِرَسُوْلٍ يَأْتِىْ مِنْ بَعْدِى اسْمُهٗ اَحْمَدُ. (صف) عبدا بندہ۔ انسان میں عبدیت ہی سے کمال پیدا ہوتا ہے۔ اسی کے لئے انسان کو پیدا کیا۔ عبدیت اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو عبد سے یاد فرمایا۔ سُبْحَانَ الَّذِىْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ۔ پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات لے گیا اپنے بندہ (محمد) کو۔ (بنی اسرائیل) مصطفیٰ۔ مجتبیٰ۔ مرتضیٰ باب افتعال سے اسم مفعول۔ قریب المعنی ہیں۔ برگزیدہ۔ منتخب۔ پسندیدہ۔ اتقیاء۔ تقی کی جمع ہے۔ متقی۔ پرہیزگار۔

**تشریح:** (۲۷) بندہ اللہ کی طرف سے عبادات کا مکلف ہے۔ اور عبادت کا پسندیدہ طریقہ احکام الٰہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے احکام کے بارے میں فرداً فرداً ہر کس وناکس سے کہے۔ یہ بھی خلاف حکمت تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے۔ ایسے افراد منتخب فرمائے جن کو معصوم۔ امانت دار بنلیا۔ اور ان میں احکام الٰہی کی تبلیغ کا جذبہ وشوق پیدا فرملیا۔ اور روحانی نور وبصیرت بھی عطا فرمائی۔ تاکہ اللہ تعالیٰ سے اور عالم لاھوت سے ان کا تعلق رہے۔ اور علوم الٰہی سے اکتساب فیض میں رکاوٹ نہ آئے۔ ادھر ظاہری طور پر انسانوں کی طرح جسم وبدن بھی عطا فرملیا۔ تاکہ بندوں تک احکام الٰہی کی تبلیغ ہو سکے۔ گویا کہ یہ انبیاء کرام اللہ اور بندوں کے درمیان ایک واسطہ ہیں۔ تاکہ اپنے باطنی احوال کے ذریعہ عالم لاہوت سے استفادہ کر سکیں۔ اور احوال ظاہری کے ذریعہ۔ بندوں کو فیض پہنچا سکیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ اللہ کی طرف سے نبوت ورسالت کے لئے منتخب ہیں۔ نبوت ورسالت کسبی واختیاری چیز نہیں کہ بندہ محنت وریاضت کے ذریعہ اسے حاصل کرے بلکہ یہ وھبی چیز ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ ارشاد باری ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (فتح) اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (انعام) اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ اپنی رسالت کس کو عطا فرمائیں۔

(۲۸) آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جاری یہ سلسلہ نبوت آپ کی ذات اقدس پر مکمل کر دیا گیا۔ آپ کی نبوت وشریعت رہتی دنیا تک کے لئے کامل ومکمل کافی وشافی ہے۔ اصلاح امت کے لئے۔ اب کسی نبی یا نئے دین کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ البتہ انسانوں کی دینی کمزوری دور کرنے کے لئے علماء امت اور مجددین ملت سے کام لیا جائیگا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت (سلسلہ نبوت) تم پر تام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا۔

آپ کے خاتم النبیین ہونے کے دلائل بکثرت ہیں۔ جو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ (۱) مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ (احزاب) محمدؐ تم مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ (۲) آپ مخلوق میں علم وکمال اور عمل واخلاق ومرتبہ میں سب سے اول بھی ہیں۔ اور اعلیٰ بھی۔ (۳) آپ کو اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا گیا ہے۔ اور آپ کی ذات اطہر تمام کمالات نبوت وانسانیت کا سرچشمہ ہے۔ اس لئے کہ انسانیت کے تمام کمالات نبوت میں مجتمع ہوتے ہیں اور نبوت کے سارے کمالات ختم نبوت میں پنہاں ہیں اس لئے جو خاتم النبیین ہوگا اس میں اولین و آخرین کے سب کمالات جمع ہونگے چنانچہ آپؐ

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کا مصداق اتم ہیں۔ (۴) آپ کے جسم اطہر پر بھی ختم نبوت کی مہر ثبت تھی۔ (۵) تمام انبیاء کی آپ نے امامت فرمائی۔ اور تمام انبیاء اور رسولوں سے آپ پر ایمان لانے اور نصرت کرنے کا وعدہ لیا گیا۔ اور ہر نبی نے اپنی امت کو اس کی تبلیغ فرمائی۔ ارشاد باری ہے۔ ثُمَّ جَاءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ (آل عمران) پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتادے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤگے اور اسکی مدد کروگے۔ (۶) اِنَّہٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ کَذَّابُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (حدیث) میری امت میں تیس کذاب ہونگے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا جبکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ (بخاری ومسلم) مجھ پر سلسلہ رسالت ختم کردیا گیا۔

لیلۃ الاسراء میں آپ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ اور ہر نبی متقی ہوتا ہے۔ کیونکہ تقویٰ نبوت کے آثار میں سے ہیں۔ اس لئے جس طرح آپ امام الانبیاء ہیں امام الاتقیاء بھی ہیں۔ دوسرے آپ ہادی امت بن کر مبعوث ہوئے ہیں آپ کے بعد

جو بھی نیک و متقی بنے گا آپکی پیروی کی وجہ سے بنے گا۔ اسلئے آپ امام الاتقیاء ہیں۔

حدیث میں ہے۔ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ (ترمذی) میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر کی بات نہیں۔ اس میں آپ کی سرداری بشمول رُسُل تمام انسانوں پر واضح طور پر ثابت ہے۔ اس حدیث میں آگے چل کر قیامت کے دن کی قید اس لئے ہے۔ کہ اس دن آپ کی سرداری کا مکمل ظہور اولین و آخرین سب کے سامنے ہوگا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو صفی اللہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجی اللہ۔ یا کلیم اللہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ یا مسیح اللہ۔ کے مبارک لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کو کو خلیل اللہ بھی کہا گیا (کمافی المسلم) اور حبیب اللہ بھی۔ اِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَ نِیْ خَلِیْلًا کَمَا اتَّخَذَ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلًا۔ (حدیث) بلاشبہ اللہ نے مجھے خلیل بنایا جیسے ابراہیم کو خلیل بنایا۔ اَلَا وَاَنَا حَبِیْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ (ترمذی) خبردار میں اللہ کا حبیب ہوں اور کوئی فخر کی بات نہیں یہ خلت دونوں کے لئے ہے۔ جبکہ محبت غیر کے لئے ثابت ہے۔ قرآن کریم میں متوکلین، محسنین، صابرین وغیرہ محبوبین کی اقسام اور اللہ نے ان سے اسباب محبت کو جگہ جگہ بیان فرمایا ہے۔ لیکن چونکہ یہ تمام کمالات محبوبیت ختم نبوت میں جمع ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور چونکہ یہ مقام محبوبیت امت کے جن افراد کو حاصل ہوا وہ آپ کے اتباع کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اس لئے آپ سید المحبوبین بھی ہیں۔

نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہو جانے کے بعد اگر کوئی دعویٰ نبوت پیش کرے تو وہ گمراہ۔ دجال۔ کافر۔ زندیق۔ مرتد اور واجب القتل ہے۔ اس کی کوئی دلیل معتبر نہیں اس کا وہی حشر ہوگا جو مسیلمہ کذاب وغیرہ کا ہوا۔ اسی طرح جو شخص ختم نبوت کے بعد سابقہ نبوتوں کو باقی مانتا ہو۔ تو وہ بھی مفتر ملحد ہو کہ باز اور ملت اسلامیہ سے خارج ہے۔ کیونکہ یہ آیت قرآنی اور حکم منصوص کا انکار ہے۔ جو کفر ہے۔ ختم نبوت کا مقتضا یہ ہے کہ سابقہ شریعتیں منسوخ ہیں۔ مگر وہ حصہ جس کو کتاب و سنت میں باقی رکھا گیا ہے۔

اسی لئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَوْ كَانَ مُوسیٰ حَياً لَما وَسِعَهُ إِلَّا اِتِّبَاعِي (حدیث) اگر موسیٰؑ زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا۔

(۳۰) وَهُوَ الْمَبْعُوثُ اِلیٰ عَامَّةِ الْجِنِّ وَكَافَّةِ الْوَرىٰ بِالْحَقِّ وَالْهُدىٰ وَبِالنُّوْرِ وَالضِّيَاءِ (۳۱) وَاِنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالیٰ مِنْهُ بَدَأَ بِلَا كَيْفِيَةٍ قَوْلاً. وَاَنْزَلَهُ عَلیٰ نَبِيِّهِ وَحْياً وَصَدَّقَهُ الْمُؤْمِنُوْنَ عَلیٰ ذٰلِكَ حَقاً وَ اَيْقَنُوا اَنَّهُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالیٰ بِالْحَقِيْقَةِ وَلَيْسَ بِمَخْلُوْقٍ كَكَلَامِ الْبَرِيَّةِ فَمَنْ سَمِعَهُ فَزَعَمَ اَنَّهُ كَلَامُ الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ وَقَدْ ذَمَّهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ وَعَابَهُ وَاَوْعَدَهُ عَذَابَهُ حَيْثُ قَالَ سَاُصْلِيْهِ سَقَرْ فَلَمَّا اَوْعَدَ اللّٰهُ تَعَالیٰ بِسَقَرَ لِمَنْ قَالَ اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرْ عَلِمْنَا اَنَّهُ قَوْلُ خَالِقِ الْبَشَرِ وَ لَا يُشْبِهُهُ قَوْلُ الْبَشَرِ.

ترجمہ: (۳۰) اور آپ ﷺ تمام جن وانس اور پوری کائنات کی طرف حق وصداقت۔ رشد وہدایت اور نور ضیاء کے ساتھ مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ (۳۱) اور بلاشبہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کتاب سے بغیر کسی کیفیت کے اللہ تعالیٰ کی بات کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر وحی کی صورت میں نازل فرمایا۔ مؤمنین نے حق سمجھتے ہوئے اس کی تصدیق کی اور وہ اس بات پر یقین لے آئے کہ یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یہ انسانوں کے کلام کی طرح مخلوق نہیں ہے۔ پس جس نے اس کو سنکر یہ یقین کیا کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے تو اس نے کفر کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے ایسے انسان کی مذمت کی ہے۔ اور اس کو عیب کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اس کو جہنم کی وعید سنائی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سَاُصْلِيْهِ سَقَرْ۔ میں اس کو عنقریب جہنم میں داخل کرونگا تو جب اللہ نے اس شخص کو عذاب کی دھمکی دی ہے جس نے کہا کہ یہ انسان کا کلام ہے تو ہم نے اس حقیقت کا یقین کرلیا کہ یہ خالق بشر کا کلام ہے۔ اور یہ کلام بشر کے مشابہ نہیں ہے۔

**توضیح:** بالحق والهدیٰ۔ یہ دین وشریعت کے اوصاف ہیں۔ شرح عقیدہ الطحاویہ مطبوعہ عرب میں وبالنور والضیاء کا اضافہ بھی ہے۔ پس ضیاء میں نور سے زیادہ کمال روشنی ہے۔ ارشاد باری ہے۔ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْراً۔ نور کا تعلق قمر سے اور ضیاء کا تعلق سورج سے ہے اور سورج کی روشنی قمر کی روشنی سے زیادہ ہوتی ہے۔ وحی۔ پیغام۔ الہام کردہ چیز۔ انبیاء پر نازل ہونے والا پیغام۔

**تشریح:** (۳۰) آپکی بعثت سے پہلے انبیاء کرام کو خاص خطوں اور علاقوں کے نئے نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ چونکہ یہ سلسلہ نبوت آپ پر مکمل کردیا گیا۔ اب آپکے بعد کوئی نبی اور کوئی دین نہیں آئے گا۔ اسلئے آپ کو آخری اور پوری دنیا کا نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپکی نبوت کسی خطہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ پوری دنیا کے جنات اور انسانوں کے لئے ہے۔ ارشاد باری ہے۔ یَاقَوْمَنَا اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَآمِنُوْا بِهٖ (احقاف) (جنات کے بارے میں ہے) اے ہماری قوم اللہ کے بلانے والے کو مانو اور اس پر یقین لاؤ۔ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰناً عَجَباً یَّهْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَداً (جن) جنوں نے کہا ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو نیک راہ بھاتا ہے۔ سو ہم اس پر یقین لائے اور ہم اپنے رب کا کسی کو ہرگز شریک نہیں بتائیں گے۔ قُلْ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعاً (اعراف) اے محمد کہہ دیجئے کہ میں تم سب (لوگوں) کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْراً وَّنَذِیْراً (سبا) نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر سب لوگوں کو خوشی اور ڈر سنانے کے واسطے۔ فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ وَمِنْهَا اَنِّیْ اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ كَافَّةً وَّخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ (مسلم شریف) مجھے انبیاء پر چھ وجہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ مجھے تمام مخلوق کی طرف بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کردیا گیا۔ (جس طرح آپ خاتم النبیین ہیں خاتم الرسل بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا خُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ)

(۳۱) قرآن کریم کلام الٰہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کلام بھی ہے پس اللہ تعالیٰ متکلم ہے۔ مگر وہ ہماری طرح منہ اور زبان سے تکلم نہیں کرتا ذات کی طرح اس کی جملہ صفات بھی بے مثال و بے کیف ہیں۔ کم و کیف اجسام کے خواص میں سے ہیں جن سے اللہ کی ذات منزہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے تکلم کی کیفیت کیا ہے۔ ہم اس سے واقف نہیں۔ نہ ہم اسے جان سکتے پس وہ اپنی شایان شان تکلم کرتا ہے۔ شیخ فرید الدینؒ نے کہا ہے کہ قول اور الحن نے آواز نے۔ ارشاد باری ہے۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيماً (نساء) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام کیا۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا ظہور من جانب اللہ نہیں ہوا ہے۔ بلکہ قرآن کریم کو کلام اللہ بر بناء تشریف کہا گیا ہے۔ جیسے بیت اللہ۔ ناقۃ اللہ۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے بداً کے ذریعہ اس کی تردید کی ہے۔ اسی طرح معتزلہ کہتے ہیں کہ قرآن جبریل کے قلب پر تخیل کے طور پر وارد ہوا۔ پھر جبریل نے اس کو اپنی زبان سے تعبیر کیا۔ قولاً کے ذریعہ اس کی تردید کی ہے۔ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا تکلم حقیقۃً ہے۔ مجازاً نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے۔ تِلْكَ آيَاتُ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ (بقرہ) یہ آیات ہیں ہم تلاوت کرتے ہیں تجھ پر انکی حق۔ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ (قیامہ) پس جب ہم پڑھنے لگیں (فرشتے کی زبانی) تو ساتھ رہا کیجئے پڑھنے کے۔

کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے قلب پر قرآن کریم براہ راست نازل کیا گیا ہے۔ یہ ایک صریح حقیقت کا انکار ہے۔ مصنفؒ نے وحیاً کہہ کر اس کی تردید کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم اللہ کی طرف سے وحی کے طور پر نازل ہوا۔ وہ عقل و حواس اور تخیلات سے پیدا نہیں ہوا۔ العیاذ باللہ۔ ارشاد باری ہے۔ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْآنُ (انعام) اور میری جانب اس قرآن کی وحی کی گئی۔ اُتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ (عنکبوت) پڑھ سنا جو وحی کی گئی تیری جانب کتاب۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ مصنفؒ نے لیس بمخلوق کہہ کر اس کی تردید کی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم اللہ کا کلام اور اس کی ذات کی طرح اس کی

صفت قدیم ہے اور ازلی ہے۔ جو حادث نہیں۔ اگر قرآن کو مخلوق کہیں تو اس کو حادث کہنا پڑے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کا کلام الٰہی ہونا۔ اس کا غیر مخلوق ہونا۔ بذریعہ وحی اس کا حضورؐ پر نازل ہونا۔ قرآن سے ثابت ہے۔ اور نفس الامر کے مطابق ہے۔ یہی عقیدہ و مسلک شروع نبوت سے لے کر آج تک تمام اہل ایمان۔ سلف صالحین۔ صحابہ و تابعین کا اللہ تعالیٰ سے سند متصل کے ساتھ نبی مختار کے واسطے سے ثابت ہے اور اسی پر اجماع منعقد ہے۔ اسی لئے امام ابو حنیفہؒ نے فقہ اکبر میں فرمایا۔ اَلْقُرْآنُ فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ وَفِي الْقُلُوبِ مَحْفُوظٌ وَعَلَى الْاَلْسُنِ مَقْرُوْءٌ وَعَلَى النَّبِيِّ مُنَزَّلٌ۔ وَلَفْظُنَا بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ وَالْقُرْآنُ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ۔ قرآن مصاحف میں مکتوب ہے۔ قلوب میں محفوظ ہے انسانوں پر پڑھا گیا ہے۔ نبیؐ پر نازل کیا گیا اور ہمارا تلفظ بالقرآن مخلوق اور قرآن غیر مخلوق ہے۔

شیخ عبد العزیز مکی نے معتزلہ کے سردار بشر مریسی سے مناظرہ کے دوران بڑی عمدہ بات فرمائی تھی۔ کہ تیرے اوپر تین باتوں میں سے ایک لازم ہے۔

(۱) اگر تو کہے کہ اللہ نے اپنا کلام اپنی ذات میں پیدا کیا تو یہ محال ہے کیونکہ وہ حادث ہونے والی چیز کا محل نہیں بن سکتا۔ وَالْمَخْلُوْقُ حَادِثٌ۔

(۲) اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام دوسرے کی ذات میں پیدا کیا تو وہ اللہ کا کلام نہیں ہوگا بلکہ اسی دوسرے کا کلام ہوگا۔

(۳) اگر تو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام مستقلاً پیدا فرمایا۔ بلا کسی ذات کے اور ذات سے علیحدہ قائم بنفسہ ہے تو یہ بھی محال ہے۔ کیونکہ جس طرح ارادہ بلا مرید اور علم بلا عالم نہیں ہوتا ایسے ہی کلام بھی بلا متکلم نہیں ہوتا۔ اور متکلم کے بغیر قائم بنفسہ کلام سمجھا بھی نہیں جا سکتا بلکہ متکلم جب تکلم کرے گا تب سمجھا جائیگا۔

ان تینوں طریقوں سے معلوم ہو گیا کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کی صفت ہے۔ وَالصِّفَاتُ لَيْسَتْ بِمَخْلُوْقَةٍ۔

قرآن کریم کلام الٰہی ہے کیونکہ قرآن کا فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہونا اس کا متعدد مقامات پر اپنا مثل لانے کا چیلنج کرنا۔ اور دنیا کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء کا اس کا مثل بلکہ ایک آیت کا مثل لانے سے عاجز رہنا۔ اور کلام الٰہی کا انکار کرنے والوں کو عذاب کی دھمکی سنانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کلام بشر نہیں کلام الٰہی ہے۔ خود باری تعالیٰ نے اس کو اپنا کلام فرمایا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ (توبہ) اور اگر مشرکین میں سے کوئی تجھ سے پناہ لے تو اس کو پناہ دیدے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو امن کی جگہ پہنچادے۔ اس لئے اگر کوئی شخص قرآن کریم کو بشر کا کلام کہتا ہے تو وہ کافر ہے۔

(۳۲) وَمَنْ وَصَفَ اللّٰهَ تَعَالٰى بِمَعْنًى مِنْ مَعَانِى الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ فَمَنْ اَبْصَرَ هٰذَا فَقَدْ اِعْتَبَرَ. وَعَنْ مِّثْلِ قَوْلِ الْكُفَّارِ اِنْزَجَرَ وَعَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى بِصِفَاتِهٖ لَيْسَ كَالْبَشَرِ. (۳۳) وَالرُّؤْيَةُ حَقٌّ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ بِغَيْرِ اِحَاطَةٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ كَمَا نَطَقَ بِهٖ كِتَابُ رَبِّنَا. وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ.

**ترجمہ:** (۳۲) اور جس نے اللہ تعالیٰ کو انسان کی کسی صفات کے ساتھ متصف کیا۔ تو وہ کافر ہے۔ پس جس نے اس کو بصیرت کی نگاہوں سے دیکھا اس نے عبرت حاصل کی اور کفار کی طرح کہنے (ان کے اقوال و نظریات) سے رک گیا۔ اور وہ اس حقیقت کو جان گیا۔ کہ اللہ کی صفات انسان کی صفات سے مشابہت نہیں رکھتی ہیں۔ (۳۳) اہل جنت کا اپنے پروردگار کو دیکھنا برحق ہے لیکن یہ رویت بغیر کسی احاطہ اور کیفیت کے ہوگی۔ جیسا کہ اس پر ہمارے رب کی کتاب (قرآن) ناطق ہے۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ بہت سے چہرے اس روز تروتازہ ہونگے اپنے رب کو دیکھتے ہونگے۔

**توضیح:** انزجز باب انفعال رک جانا۔ وجوہ جمع وجہ چہرہ۔ ناضرة باب ن سے اسم فاعل۔ تروتازہ۔ خوبصورت۔

**تشریح:** اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْئٌ۔ اس کے کوئی شی مشابہ نہیں (نہ ذات میں نہ صفات میں) اس لئے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو کسی صفت انسانی کے ساتھ متصف کرے یا اس کی کسی صفت کا انکار کرے تو وہ کافر ہے۔

فمن ابصر: کافر کہتے ہیں اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ۔ یہ قرآن انسان کا کلام ہے۔ یہود کہتے تھے۔ لَا نُؤْمِنُ بِهَا حَتّٰى نَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ بِاٰذَانِنَا۔ ہم اس کو نہیں مانیں گے جب تک کہ اللہ کا کلام اپنے کانوں سے نہ سن لیں، اور جب سن لیا تو کہنے لگے۔ لَا نُؤْمِنُ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔ ہم تجھ کو نہیں مانتے جب تک اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں۔ اور اس طرح کی باتیں یہ اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی صفات کو اپنی صفات کی طرح سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ان کانوں سے ہم مخلوق کے کلام کو سن سکتے ہیں۔ اور ان آنکھوں سے تمام چیزوں کو دیکھتے ہیں تو اللہ کے کلام کو کیوں نہیں سن سکتے اور اس کی ذات کو کیوں نہیں دیکھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام قیاس آرائیوں کو فاسد قرار دیا ہے۔ اور ان کی کھلی تردید کی ہے۔ حتی کہ اس طرح کہنے والے کو عذاب کی دھمکی دی ہے۔ تو جو آدمی کافروں جیسی بات کہنے اور ان کے نظریات وخیالات سے رک گیا۔ اور بصیرت کی نگاہوں سے ان چیزوں کو دیکھا تو وہ محفوظ رہا۔

(۳۳) اس دنیا میں دیدار الٰہی شرعاً وعقلاً دونوں طرح ممکن ہے۔ کیونکہ اللہ کی ذات موجود ہے اور جو چیز موجود ہوتی ہے۔ اس سے رویت متعلق ہوتی ہے۔ دوسرے اس لئے کہ موسیٰؑ نے سوال کیا تھا۔ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ اے میرے رب تو مجھ کو دکھا کہ میں دیکھوں تجھ کو۔ اگر دیکھنا ممکن نہ ہوتا تو موسیٰؑ کی طرف سے ایک محال شی کا مطالبہ لازم آئے گا یا جہل لازم آئے گا کہ موسیٰؑ کو معلوم نہیں تھا کہ

اللہ کی ذات کے بارے میں کیا مطالبہ جائز ہے کیا ناجائز۔

لیکن اس امکان کے باوجود اس دنیا میں اللہ کی زیارت اور اس کی ذات کا مشاہدہ کسی کو بھی نہیں ہوگا کیونکہ انسان اور اس کی نظر میں اتنی قوت نہیں جو اس طرح کی رویت کو برداشت کر سکے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے فرمایا لَنْ تَرَانِیْ تو مجھے ہر گز نہ دیکھ سکے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں صراحت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تجلی فرمائی تو موسیٰؑ تاب نہ لا سکے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

البتہ آخرت میں مؤمنین کو حق تعالیٰ کا دیدار اور اس کی زیارت ہونا صحیح اور قوی احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ خود قرآن کریم کی آیت متن میں موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ ایک رات چاند کی چاندنی میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرام کا مجمع تھا آپ ﷺ نے چاند کی طرف نظر فرمائی اور پھر فرمایا (آخرت میں) تم اپنے رب کو اسی طرح عیاناً دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ وجہ اس کی یہی ہے۔ کہ آخرت میں انسان اور اس کی نظر میں قوت پیدا کر دی جائے گی جس کی وجہ سے رویت و زیارت ہو سکے گی۔ اور انسان اور اسکی نظر رویت باری کا تحمل کر لے گی۔ مگر انسان کی نگاہ اسکی ذات کا احاطہ نہیں کر سکے گی کیونکہ اس کی ذات غیر محدود اور انسان کی نظر محدود ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو جو شب معراج میں زیارت ہوئی وہ بھی در حقیقت عالم آخرت ہی کی زیارت ہے جیسا کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے فرمایا کہ دنیا صرف اس جہان کا نام ہے جو آسمانوں کے اندر محصور ہے۔ آسمانوں سے اوپر آخرت کا مقام ہے۔ وہاں پہنچ کر جو زیارت ہوئی اس کو دنیا کی زیارت نہیں کہا جا سکتا۔

البتہ کفار و منکرین اس روز بھی سزا کے طور پر حق تعالیٰ کی رویت اور زیارت سے مشرف نہ ہونگے۔ ارشاد باری ہے۔ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ۔ یعنی کفار اس روز اپنے رب کی زیارت سے محروم ہونگے۔

اس میں معتزلہ کا رد ہے، جو کہتے ہیں کہ رویت کیلئے یہ شرط ہے کہ مرئی کسی مکان اور کسی جہت میں ہو۔ اور رائی کے مقابل اس طور پر ہو کہ نہ بالکل قریب ہو نہ

بہت دور اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ سب شرطیں مفقود ہیں اس لئے رویت محال ہے۔ لیکن یہ بات دو وجہ سے تسلیم نہیں۔ (۱) ہم رات دن بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں جو نہایت قریب ہوتی ہیں اور بہت سی ایسی چیزوں کا دیدار کرتے ہیں جو نہایت دور ہیں۔ جیسے بالکل قریب رکھی ہوئی چیز آسمان سورج چاند ستارے وغیرہ۔ (۲) رویت کے یہ اسباب عادیہ ہیں۔ یعنی ان اسباب کے بعد اللہ تعالیٰ رویت کو پیدا فرمادیتا ہے۔ لیکن رویت ان اسباب پر موقوف نہیں وہ ان اسباب کے بغیر بھی رویت پیدا کرسکتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرمؐ جس طرح سامنے سے دیکھ لیا کرتے تھے پیچھے کی جانب سے بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔

(۳۴) وَتَفْسِيْرُهُ عَلٰى مَا اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَعَلِمَهُ وَكُلُّ مَا جَاءَ فِيْ ذٰلِكَ مِنَ الْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ كَمَا قَالَ وَمَعْنَاهُ عَلٰى مَا اَرَادَ وَلَانَدْخُلُ فِيْ ذٰلِكَ مُتَاَوِّلِيْنَ بِاٰرَائِنَا وَلَا مُتَوَهِّمِيْنَ بِاَهْوَائِنَا فَاِنَّهُ مَا سَلِمَ فِيْ دِيْنِهٖ اِلَّا مَنْ سَلَّمَ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِرَسُوْلِهٖ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَدَّ عِلْمَ اِشْتَبَهَ عَلَيْهِ اِلٰى عَالِمِهٖ.

**ترجمہ:** اور اس (آیت مذکورہ) کی تفسیر وہی قابل قبول ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی منشاء اور علم کے مطابق ہوگی۔ اور ہر وہ حدیث صحیح معتبر ہوگی جو اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔ پس وہ ایسے ہی ہے جیسے آپؐ نے فرمایا۔ اور اس کے وہی معنیٰ ہیں جو آپؐ کی مراد ہے۔ اور ہم اس کی تفسیر میں اپنی رائے کی تاویل اور ذاتی خواہش کے توھم کو فوقیت نہیں دیں گے۔ (اس لئے کہ حقیقت یہ ہے کہ) کوئی اپنے دین میں محفوظ نہیں مگر وہی شخص جو اپنے آپ کو اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے سپرد کردے اور جس مسئلہ میں اشتباہ پیدا ہو جائے اس کی وضاحت کے لئے کسی عالم کی طرف رجوع کرے۔

**توضیح:** تفسیر: باب تفعیل۔ وضاحت کرنا۔ پردہ ہٹانا۔ متاولین باب تفعل سے اسم فاعل کلام کی تفسیر کرنے والا۔ تفسیر و تاویل میں فرق یہ ہے کہ تفسیر کے معنی ہیں مراد خداوندی کو واضح کرنا۔ اور اس کیلئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ اول یہ کہ لفظ کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں یا مجاز متعارف اس سے خروج نہ ہو۔ دوم اس معنیٰ کو شاید ان وحی (حضرات صحابہ) کے قول سے مؤید کرنا سوم نصوص شرعیہ ظاہرہ کے اس معنیٰ کا خلاف نہ ہونا اگر یہ تینوں چیزیں ہوں تو تفسیر تفسیر ہے۔ ورنہ ایک فوت ہو جائے تو تاویل قریب ہے۔ دو فوت ہو جائیں تو تاویل بعید ہے۔ اور تینوں فوت ہو جائیں تو تحریف ہے۔ تفسیر عزیزی میں ایسا ہی لکھا ہے۔ ملفوظات فقیہ الامت اول صفحہ نمبر ۷ ۳۔ متوھمین باب تفعل سے اسم فاعل خیال وگمان کرنے والا ۔اھوی ھوی کی جمع ہے خواہش۔

**تشریح:** متن میں ذکر کی گئی ایک آیت کے بارے میں کتاب وسنت نے جو تصریح کردی ہے اور اس کی روشنی مین سلف صالحین نے جو اس کی مراد کو سمجھا ہے اسی کی اطاعت واجب ہے۔ اسی پر سلف و خلف کا اجماع ہے۔ آیت کے مفہوم و مراد اور مصداق کو متعین کرنے کے بارے میں جو احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں ۔ وہ حق ہیں اس میں ہم اپنی طرف سے غلو کرنے والون کی تحریفات۔ جاہلوں کی تاویلات فاسدہ باطل پرستوں کی حیلہ سازیوں کی طرح کوئی من مانی تاویل اور دخل اندازی نہیں کریں گے۔ جس طرح معتزلہ نے من مانی تاویل فاسد کر کے کلام الٰہی اور کلام رسول میں تحریف کی ہے۔

الامن سلّم: یعنی دین کی سلامتی اور حفاظت کا واحد طریقہ یہی ہے کہ حکم ربی اور فرمان رسالت کے سامنے بغیر کسی چوں چرا سر تسلیم خم کردے۔ اور نامعلوم چیزوں کے بارے میں اصحاب علم کی طرف رجوع کرے جن چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ نے بندوں سے مخفی رکھا ہے جیسے متشابہات وغیرہ جس میں رویت باری کا مسئلہ بھی ہے۔ ان کی تحقیق کے پیچھے نہ پڑے قرآن وحدیث میں جتنا بیان کردیا گیا اسی پر اکتفا کرے۔ ان میں

تاویلات فاسدہ کر کے شکوک و شبہات میں مبتلا نہ ہو۔ اور اپنا دین خراب نہ کرے۔ رویت کے بارے میں اتنا ثابت ہے کہ رویت باری ہو گی۔ بس دین وایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اسکو حق جانے باقی رویت کی کیفیت کیا ہو گی اس کی کوئی تفصیل قرآن وسنت میں بیان نہیں کی گئی۔ اسلئے اس میں توقف کرے۔ اور اسکو اللہ کے حوالہ کردے۔ ارشاد باری ہے۔ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (شعراء) یعنی وہ شخص اپنی اور اپنے دین کی حفاظت کر لیتا ہے جس کو اللہ نے قلب سلیم عطا کیا ہو۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (نحل) اہل ذکر (اہل علم) سے پوچھو اگر تمہیں معلوم نہیں۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (اسراء) اس چیز کے پیچھے نہ پڑیئے جسکا تجھے علم نہ ہو۔

(۳۵) وَلَا يَثْبُتُ قَدَمُ الْإِسْلَامِ. إِلَّا عَلَىٰ ظَهْرِ التَّسْلِيمِ وَالْإِسْتِسْلَامِ فَمَنْ رَامَ عِلْمَ مَا حُجِزَ عَنْهُ عِلْمُهُ وَلَمْ يَقْنَعْ بِالتَّسْلِيمِ فَهْمُهُ حَجَبَهُ مَرَامُهُ عَنْ خَالِصِ التَّوْحِيدِ وَصَافِي الْمَعْرِفَةِ وَصَحِيحِ الْإِيمَانِ.

**ترجمہ:** اور اسلام ثابت قدم نہیں رہ سکتا مگر تسلیم وانقیاد کی پشت پر۔ پس جس نے ان چیزوں کو جاننا چاہا۔ جن سے اس کی جانکاری کو منع کر دیا اور اس کی فہم نے اطاعت پر قناعت نہیں کی تو اس کا یہ مقصد اس کو خالص توحید۔ معرفت دین اور صحیح ایمان سے محروم کر دے گا۔

**توضیح:** تسلیم مصدر باب تفعیل۔ سپرد کرنا۔ استسلام باب استفعال تابعدار ہونا۔ رام باب ن ارادہ کرنا۔ حُجِز ماضی مجہول باب ن، ض منع کرنا۔ مرام مقصد۔ علمُهٗ حُجز کا نائب فاعل فهمُه لم یقنع کا فاعل۔ مرامُه حجب کا فاعل ہے۔

**تشریح:** دین الٰہی کے اصولوں کو کتاب وسنت کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور کتاب اللہ کی تفسیر وہی معتبر ہو گی۔ جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے

صحابہ نے بیان فرمائی۔ جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا جس کو صحابہ نے نبی کی زبان سے سنا اور سمجھا۔ طبعی فہم اور محض رائے سے اس کی تفسیر قابل اعتبار نہ ہوگی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ دین کی بنیاد عقل وفہم پر نہیں بلکہ نقل من اللہ پر ہے اسی وجہ سے انبیاء ورسل کا سلسلہ شروع کیا گیا آسمانی کتابیں نازل کی گئیں بذریعہ وحی ان کی تفسیر کی گئی۔ امت کی اصلاح کے لئے وارثین انبیاء علماء ومجددین ملت کا انتظام کیا گیا۔

مصنفؒ نے اسی بات کو حسی طور پر سمجھایا ہے کہ جس طرح پاؤں کے قرار کے لئے کسی شئی کی پشت کا ہونا ضروری ہے، اسلام کی بقا کیلئے بھی ضروری ہے کہ نصوص شرعیہ اور احادیث رسولؐ کے سامنے سر تسلیم خم کردے۔ کتاب وسنت سے جو ثابت ہو بلا اعتراض اس کو تسلیم کرے۔ اپنی رائے اور قیاس کے ذریعہ اس سے معارضہ نہ کرے۔

امام بخاریؒ نے امام زہریؒ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کام رسول بھیجنا۔ رسول کا کام تبلیغ کرنا اور ہمارا کام ماننا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران) دین اللہ کے نزدیک فقط اسلام ہے۔ اور اسلام نام ہے ماننے۔ تسلیم کرنے۔ اور تفویض یعنی تمام امور میں احکام خداوندی کی پابندی کا ارشاد باری ہے۔ اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (بقرہ) اس وقت کو یاد کر جب کہا اس کو اس کے رب نے حکم برداری کر تو۔ بولا کہ میں حکم بردار ہوں رب العٰلمین کا۔ قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین (انعام) تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العٰلمین کے لئے ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور میں پہلا حکم بردار ہوں۔

اس لئے قرآن کریم میں تفسیر بالرائے خسران کا باعث ہے۔ او کسی بھی طرح قابل اعتبار نہیں ہے۔ وَفِی رِوَایَۃٍ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔ جس شخص نے بلا علم اپنی رائے سے قرآن میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ کتاب وسنت اور سلف کے طریقہ سے ہٹ کر قرآن کی تفسیر کرنا اور دین کو

سمجھنا ضلالت و گمراہی اور گناہ ہے۔ چاہے اتفاقی طور پر۔ وہ صحیح سمجھ گیا ہو۔ او جس نے کتاب و سنت کو سامنے رکھا اور انہیں کی روشنی میں صحیح حل تلاش کرنے کی کوشش کی تو اگر خطا پر بھی ہے تو بھی ماجور ہے۔ اور اگر صحیح حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا تو دوگنے ثواب کا مستحق ہے۔ (نور الانوار)

(۳۶) فَيَتَذَبْذَبُ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ وَالتَّصْدِيقِ وَالتَّكْذِيبِ وَالْإِقْرَارِ وَالْإِنْكَارِ مُوَسْوِساً تَائِهاً شَاكّاً زَائِغاً لَا مُؤْمِناً مُصَدِّقاً وَلَا جَاحِداً مُكَذِّباً.

**ترجمہ:** بلکہ وہ مذبذب رہتا ہے کفر و ایمان، تصدیق و تکذیب، اور اقرار و انکار کے درمیان اس کی حالت ہمیشہ وسوسوں میں مبتلا شخص اور شکی المزاج انسان کی سی ہو جاتی ہے۔ نہ وہ تصدیق کرنے والا مومن رہتا ہے۔ نہ تکذیب کرنیوالا منکر۔

**توضیح:** موسوس۔ اسم فاعل۔ وسوسہ پیدا کرنے والا۔ تائہا اسم فاعل۔ باب ضرب تاہ یتیہ تیہا۔ حیران ہونا۔

**تشریح:** امور دینیہ میں نکتہ چینی۔ قیل و قال۔ تاویلات فاسدہ۔ رائے زنی کی عادت توحید و معرفت اور اصل ایمان سے محروم کر کے۔ شکوک و شبہات کے گرداب میں پھانس دیتی ہے۔ اور ایسے موڑ پر لا کھڑا کرتی ہے کہ اس کو ایمان و کفر اقرار و انکار اور تصدیق و تکذیب میں تردد ہونے لگتا ہے جس کی وجہ سے نہ وہ مومن مصدق (اصلی مومن) ہی کہلاتا ہے کیونکہ شبہات نے اس کو مغلوب کر دیا ہے۔ اور نہ جاحد و مکذب (کھلا کافر) ہی کہلاتا ہے۔ کیونکہ اقرار برقرار ہے اس لئے واضح شرعی دلائل سے اعراض کر کے فلسفیانہ تحقیق و تدقیق کے درپے ہونا ضلال و اضلال ہے۔

(۳۷) وَلَا يَصِحُّ الْإِيمَانُ بِالرُّؤْيَةِ لِأَهْلِ دَارِ السَّلَامِ لِمَنْ اِعْتَبَرَهَا مِنْهُمْ بِوَهْمٍ أَوْ تَأَوَّلَهَا بِفَهْمٍ إِذْ كَانَ تَأْوِيلُ الرُّؤْيَةِ وَتَأْوِيلُ كُلِّ مَعْنًى يُضَافُ إِلَى الرُّبُوبِيَّةِ لَا يَصِحُّ فَلَا يَصِحُّ الْإِيمَانُ بِالرُّؤْيَةِ إِلَّا بِتَرْكِ التَّأْوِيلِ وَلُزُومِ التَّسْلِيمِ وَعَلَيْهِ دِينُ الْمُرْسَلِينَ.

**ترجمہ:** اہل جنت کے نزدیک رویت پر اس شخص کا ایمان صحیح نہ ہوگا جس نے رویت کا وہم سے اعتبار کیا۔ یا فہم وعقل سے اس کی تاویل کی۔ اس لئے کہ رویت کی تاویل (اپنی رائے سے) اور ہر اس صفت کی تاویل جو ربوبیت کی طرف منسوب ہے (یعنی اس کا صحیح علم اللہ کے پاس ہے) صحیح نہیں۔ پس اس کا رویت پر (یہ وھم وتاویل کا) ایمان بغیر تاویل چھوڑے۔ اور بغیر تسلیم واطاعت کئے صحیح نہیں۔ اسی پر رسولوں کے دین کی بنیاد ہے۔

**تشریح:** ارشاد باری ہے۔ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيْلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهُ إِلَّا اللّٰهُ۔ (آل عمران) اس میں (قرآن میں) بعض آیتیں محکم ہیں۔ (جن کے معنی واضح ہیں) وہ کتاب کی اصل ہیں۔ دوسری آیتیں متشابہات ہیں۔ (جن کے معنی معلوم نہیں یا متعین نہیں) سو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ گمراہی پھیلانے اور مطلب معلوم کرنے کی غرض سے متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔ جبکہ ان کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

رویت باری کا مسئلہ بھی چونکہ متشابہات میں سے ہے۔ اس لئے یہاں مصنفؒ معتزلہ۔ اور مشبہ وغیرہ کی تردید کرتے ہیں۔ کہ معتزلہ رویت کی بالکلیہ نفی کرتے ہیں۔ اور مشبہ کہتے ہیں کہ رویت باری فلاں فلاں کیفیت پر ہوگی۔ جبکہ اہل سنت والجماعت رویت باری کو ثابت مانتے ہیں کیونکہ وہ نصوص شرعیہ سے ثابت ہے۔ اور اس کی کیفیت کے بارے میں توقف کرتے ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے کیونکہ نصوص میں اس کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی ہے اس طرح ان فرق باطلہ نے تاویل فاسدہ کے ذریعہ متشابہات کی پیروی کر کے طریقہ ضلالت اختیار کیا۔ اور اہل سنت والجماعت نے انبیاء کے دین کو نہایت مضبوطی سے تھاما۔ اور متشابہات میں توقف سے کام لیا۔

دراصل یہ صلاحیت اس وقت پیدا ہوئی ہے جب آدمی معلمین سے تربیت حاصل کرے

مصلحین سے تزکیہ کرائے۔ کاملین کی صحبت میں رہ کر اللہ کی رنگ میں رنگے۔ متقین سے فیض حاصل کرے۔ اسکے بعد تسلیم وانقیاد اس کی طبیعت بن جاتی ہے۔

(۳۸)وَمَنْ لَمْ يَتَوَقَّ النَّفْيَ وَالتَّشْبِيْهَ زَلَّ وَلَمْ يُصِبِ التَّنْزِيْهَ (۳۹)فَإِنَّ رَبَّنَا جَلَّ وَعَلَا مَوْصُوْفٌ بِصِفَاتِ الْوَحْدَانِيَّةِ مَنْعُوْتٌ بِنُعُوْتِ الْفَرْدَانِيَّةِ لَيْسَ فِيْ مَعْنَاهُ اَحَدٌ مِنَ الْبَرِيَّةِ (۴۰) تَعَالٰى عَنِ الْحُدُوْدِ وَالْغَايَاتِ وَالْاَرْكَانِ وَالْاَعْضَاءِ وَالْاَدَوَاتِ وَلَا تَحْوِيْهِ الْجِهَاتُ السِّتُّ كَسَائِرِ الْمُبْتَدَعَاتِ

**ترجمہ:** (۳۸)اور جو نفی اور تشبیہ سے پرہیز نہ کر سکا تو وہ (راہ حق سے) پھسل گیا اور تنزیہ تک رسائی نہ کر سکا۔ (۳۹) بے شک ہمارا رب جل وعلا صفت وحدانیت کے ساتھ متصف اور صفات فردانیت کے ساتھ منعوت (متصف) ہے۔ مخلوق میں کوئی اس کا ہم وصف نہیں ہے۔ (۴۰) وہ حدود وقیود اور جسمانی ارکان واعضاء اور آلات واسباب سے بالاتر ہے۔ اور تمام مخلوقات کی طرح جہات ستہ اس کو گھیرے ہوئے نہیں ہیں۔

**توضیح:** التنزیہ۔ باب تفعیل۔ اللہ تعالیٰ کو صفات بشریہ سے دور رکھنا۔ حدود حد کی جمع ہے۔ جہات ستہ (دائیں، بائیں، آگے، پیچھے، اوپر نیچے) غایات غایۃ کی جمع ہے۔ انتہا۔ ارکان رکن کی جمع ہے۔ وہ چیز جس سے قوت حاصل کی جائے عناصر اربعہ (آگ۔ ہوا۔ پانی۔ مٹی) اعضاء عضو کی جمع ہے۔ بدن کا حصہ۔

**تشریح:** (۳۸) اس میں فرقہ معطلہ اور مشبہ کی تردید ہے کیونکہ اول نے صفات باری کا انکار کیا اور دوسرے نے اللہ کو مخلوق کی صفات میں مشابہ قرار دیا۔ اس طرح افراط وتفریط میں پھنس کر دونوں فرقے راہ حق سے پھسل گئے اور تنزیہ تک رسائی نہ کر سکے۔ فرقہ موحد یعنی اہل سنت والجماعت نے افراط وتفریط سے ہٹ کر اعتدال کا راستہ اختیار کیا۔ یعنی صفات باری تعالیٰ کو برحق مانا اور مخلوق کی صفات سے

منزہ قرار دیا۔ اس طرح راہ حق پر قائم رہ کر تنزیہ تک رسائی کر گیا۔ فا لْمُعَطِّلُ يَعْبُدُ عَدماً۔ وَالْمُشَبِّهُ يَعْبُدُ صَنماً والْمُوَحِّدُ يَعْبُدُ صَمداً۔

(۳۹) (۱) وحدانیت کا اطلاق ذات کی یکتائی۔ اور فردانیت کا اطلاق صفات کی یکتائی بتانے کے لئے ہوتا ہے۔ مصنفؒ نے وحدانیت سے اَللّٰهُ اَحَد۔ فردانیت سے اللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ۔ اور لَيْسَ فِيْ مَعْنَاهُ سے لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُواً اَحَد کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لہٰذا بِصِفَاتِ الْوَحْدَانِيَّةِ کا مطلب ہے کہ اس کا کوئی مثل نہیں۔ اور بِنُعُوتِ الْفَرْدَانِيَّةِ کا مطلب ہے کہ اس کی کوئی نظیر نہیں جو اس کے مساوی ہو۔ (۲) وحدانیت و فردانیت سے معطلہ کی تردید مقصود ہے۔ جو صفات باری کے منکر ہیں۔ اور لَيْسَ فِيْ مَعْنَاهُ سے مشبہ کی تردید مقصود ہے جو اللہ کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور یہ تردید اس لئے کی گئی ہے کہ اللہ کا دین اعتدال پر قائم ہے۔ یعنی اثبات و نفی اور افراط و تفریط کے درمیان ہے۔ نہ محض اثبات نہ مطلق نفی۔ مثلاً مسئلہ توحید میں ذات باری کا مسئلہ اس میں نہ ذات باری کا انکار ہے نہ ذات کا اثبات بلکہ اللہ کی یکتائی کا اثبات اور متعدد خدا کی نفی ہے۔ اسی طرح صفات کا مسئلہ اس میں بھی اثبات و نفی ہے۔ اثبات تو یہ ہے کہ وہ صفات ازلاً وابداً اللہ تعالیٰ میں ثابت و موجود ہیں او نفی یہ ہے کہ اس کی صفات کو مخلوق سے کسی طرح کی مشابہت نہیں ہے۔ اس لئے کہ تعدد تکثر۔ تشابہ۔ مخلوق کی شان ہے۔ اور توحد، احدیت، خالق کی شان ہے چنانچہ مخلوق کا مثل بھی ہے مثال بھی ہے ہمسر بھی ہے۔ شریک بھی ہے۔ خالق کا نہ مثل ہے نہ مثال ہے۔ نہ ہمسر ہے نہ شریک ہے۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ خالق مخلوق کے مثل ہو۔ یا مخلوق میں تو صفات ہوں اور اللہ تعالیٰ صفات سے خالی ہو (نعوذ باللہ) قرآن کریم نے اللہ کی ذات و صفات میں اثبات و نفی کا انداز اختیار کیا ہے۔ ارشاد ہے هُوَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الخ۔ (حشر) یہ اثبات صفات کے بارے میں ہے۔ نفی کے بارے میں ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْئٌ (شوریٰ)

(۴۰) حدود و جہتیں۔ اور نہایتیں۔ یہ محدود اور اجسام کی خصوصیات ہیں۔ چنانچہ اللہ کے سوا تمام مخلوقات اپنی ذات و صفات اور افعال وغیرہ ہر اعتبار سے محدود ہے۔ ارشاد باری ہے کُلُّ شَئیٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ (رعد) اسکے پاس ہر چیز کا اندازہ ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَئیٍ مُحِيطاً (نساء) اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ازلاً و ابداً غیر محدود ہے۔ نہ اس کی ابتداء کی حد ہے۔ نہ انتہاء کی نہ اس کی وسعت کی حد ہے۔ نہ احاطہ کرنے کی۔ وہ تمام موجودات کو اپنے فعل سے محیط ہے۔ اور تمام معدومات کو علم و قدرت سے۔ کہ ان کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ وہ ہر چیز کا منتہیٰ۔ مرجع۔ اور ٹھکانہ ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَاَنَّ اِلیٰ رَبِّکَ الْمُنْتَهیٰ (نجم) تیرے رب کی طرف منتہیٰ ہے۔ وَاَنَّ اِلیٰ رَبِّکَ الرُّجْعیٰ (علق) تیرے رب کی جانب لوٹنا ہے۔ وَاِلیٰ اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (آل عمران) اللہ تمام امور کا مرجع ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ حدود و غایات سے بالاتر ہے۔ جہات ستہ اس کو محیط نہیں ہونگی۔ کیونکہ اللہ خود ان کا خالق اور ان کو محیط ہے۔ ارشاد باری ہے۔ (۱) هُوَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ۔ ظاہر سے اشارہ ہے کہ اللہ ہر چیز سے اوپر ہے۔ باطن سے اشارہ ہے کہ اس سے نیچے کوئی چیز نہیں اگر عرش سے کوئی چیز گرے تو اسی پر گرے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ فَهُوَ الْفَوْقُ الْمُطْلَقُ وَالدُّوْنُ الْمُطْلَقُ (۲) هُوَ الْاَوَّلُ وَالْآخِرُ یعنی وہ تمام کائنات سے آگے اور پیچھے ہے۔ (۳) اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ جدھر بھی پھرو ادھر ہی اللہ کی ذات ہے۔ (۴) وَاَصْحَابُ الْيَمِيْنِ مَا اَصْحَابُ الْيَمِيْنِ وَاَصْحَابُ الشِّمَالِ مَا اَصْحَابُ الشِّمَالِ۔

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری فرماتے ہیں۔ ذَاتُ اللّٰهِ مَوْصُوْفَةٌ بِالْعِلْمِ غَيْرُ مُدْرَكَةٍ بِالْاِحَاطَةِ وَلَا مَرْئِيَّةٍ بِالْاَبْصَارِ فِی دَارِ الدُّنْيَا وَهِیَ مَوْجُوْدَةٌ بِحَقَائِقِ الْاِيْمَانِ مِنْ غَيْرِ حَدٍّ وَلَا اِحَاطَةٍ وَلَا حُلُوْلٍ۔ وَتَرَاهُ الْعُيُوْنُ فِی الْعُقْبیٰ ظَاهِراً فِی مُلْكِهٖ وَقُدْرَتِهٖ وَقَدْ حَجَبَ الْخَلْقَ عَنْ مَعْرِفَةِ كُنْهِ ذَاتِهٖ وَدَلَّهُمْ عَلَيْهِ بِآيَاتِهٖ فَالْقُلُوْبُ

تَعْرِفُهُ وَالْعُيُوْنُ لَا تُدْرِكُهُ فَيَنْظُرُ اِلَيْهِ الْمُؤْمِنُ بِالْاَبْصَارِ مِنْ غَيْرِ اِحَاطَةٍ وَلَا اِدْرَاكٍ بِنِهَايَةٍ.

اللہ تعالیٰ ارکان واعضاء اور آلات واسباب سے بھی بالاتر ہے۔ کیونکہ (۱) اعضاء ماہیت کے اجزاء ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ''احد'' ہے۔ متجزی نہیں۔ (اجزاء کو قبول نہیں کرتا) اعضاء میں ترکیب، تفریق و تبعیض ہے۔ ہر ایک عضو دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ''احد'' ہونے کی وجہ سے تبعیض و تفریق و ترکیب سے بری ہے۔ (۲) اعضاء کام میں اسباب و آلات کا ذریعہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات شان صمدیت سے متصف ہے اور کسب و اکتساب سے بالکل بے نیاز ہے۔ اس کے سب کام کُنْ فَيَكُوْن سے وجود میں آتے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ کیلئے ید. وجه. قدم. اصابع. انامل. عين. ساق. خاصره، کا اطلاق کیا گیا ہے۔ مگر جس طرح اسکی ذات و صفات انسان جیسی نہیں یہ چیزیں بھی انسانوں کی طرح نہیں۔ بلکہ انکی کیفیت و حقیقت اسی کی شایان شان ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں۔ ان اسماء (ید۔ وجہ وغیرہ) کے معانی تو ہمیں معلوم ہیں البتہ ان کی کیفیت نہیں جانتے۔ اسی طرح ان پر ایمان لانا واجب ہے اور ان کی کیفیت معلوم کرنا بدعت ہے۔ اس لئے ان کی صحیح کیفیت کو جانا نہیں جاسکتا۔ نہ اپنے علم کے ذریعہ ان کا احاطہ کرسکتے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اسباب و آلات سے اس لئے بھی بالاتر ہے کہ اس نے کچھ چیزوں کو اسباب کے درجہ میں پیدا فرمایا۔ جو دوسری چیزوں کو وقوع کا سبب ہوتی ہیں اور جس کے ذریعہ نفع حاصل کیا جاتا ہے اور ضرر سے بچا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نفع وضرر سے منزہ ہے۔ بلکہ وہ نفع وضرر کا خالق و مالک ہے۔ اور یہ سب چیزیں اس کے ارادہ اور مشیت کے تحت ہیں۔ اور اس کی محتاج ہیں۔ کون ہستی ہے جو اللہ کے نفع وضرر پر قادر ہو اور اس کی وجہ سے اسے اسباب اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑے۔ اللہ کی ذات تو سب پر حاوی ہے۔ اور سب چیزوں سے بے نیاز ہے ارشاد باری ہے۔ اِنَّ اللّٰہ

لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۔ بلاشبہ اللہ عالمین سے بے نیاز ہے۔ البتہ اسباب و آلات کو اس نے پیدا کیا۔ اور ان کو اپنے افعال کیلئے اپنی حکمت کے تحت استعمال کرتا ہے۔

یہاں فرقہ مجسمہ۔ مشبہ۔ اور معطلہ کا رد مقصود ہے۔ مجسمہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جسم اور اعضاء ہیں۔ مشبہ خدا کو انسانی اعضاء میں تشبیہ دیتے ہیں۔ معطلہ کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ کائنات کی ہر چیز میں موجود ہے۔ اپنی مخلوقات میں حلول کئے ہوئے ہے۔ اور جہات ستہ میں گھرا ہوا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے منزہ اور بالاتر ہے۔

(۴۱) وَالْمِعْرَاجُ حَقٌّ قَدْ اُسْرِیَ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعُرِجَ بِشَخْصِہٖ فِی الْیَقْظَۃِ اِلَی السَّمَاءِ. ثُمَّ اِلٰی حَیْثُ مَا شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الْعُلٰی وَاَکْرَمَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ تَعَالٰی بِمَا شَاءَ وَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی.

**ترجمہ:** (۴۱) اور معراج برحق ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ کو رات میں (مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ) تک سیر کرائی) اور حالت بیداری میں آپ کے جسم اطہر کو آسمان پر لیجایا گیا (معراج کرائی) پھر بلندیوں پر اس جگہ تک جہاں تک اللہ نے چاہا لیجایا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی منشاء کے مطابق آپ کو عزت بخشی اور اپنے بندہ (محمد) کی طرف وحی کی۔

**تشریح:** معراج کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔ قرآن و سنت میں اس کا ذکر تفصیل سے آیا ہے یہاں دو لفظ ہیں۔ (۱) اسراء (۲) معراج۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک جو آپ کو براق پر لیجایا گیا اور آپ نے وہاں انبیاء کرام کی امامت فرمائی۔ اس کو اسراء کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت قرآن کریم سے نص قطعی کے طور پر ہے۔ جس کا منکر کافر ہے۔

مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک پھر آسمانوں سے جنت اور عرش تک کی سیر کو معراج

کہتے ہیں۔اس کا ثبوت مشہور احادیث سے ہے۔اس کا منکر فاسق و مبتدع ہے۔ معراج چونکہ آپ کا معجزہ ہے اس لئے آپ کو یہ معراج بحالت بیداری جسمانی طور پر کرائی گئی کیونکہ خواب یا روحانی طور پر معراج کا ہونا غیر نبی کے لئے بھی ممکن ہے۔ ارشاد باری ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔(بنی اسرائیل)پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔بِعَبْدِہٖ سے معراج جسمانی کی جانب اشارہ ہے۔ ورنہ تو یوں کہا جاتا۔ اَسْرٰی بِرُوْحِہٖ. اَوْ ذَھَبَ بِرُوْحِہٖ. فَاسْتَوٰی وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی(نجم) پھر سیدھا بیٹھا۔ اور وہ تھا اونچے کنارے پر آسمان کے پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر رہ گیا فرق دو کمان کے برابر یا اس سے بھی نزدیک پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھیجا۔ یہ آیت بھی معراج جسمانی کی واضح دلیل ہے۔

(۴۲) وَالْحَوْضُ الَّذِیْ اَکْرَمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِہٖ غِیَاثاً لِاُمَّتِہٖ حَقٌّ.
(۴۳) وَالشَّفَاعَۃُ الَّتِیْ اِدَّخَرَھَا لَھُمْ حَقٌّ کَمَا رُوِیَ فِی الْاَخْبَارِ.
(۴۴) وَالْمِیْثَاقُ الَّذِیْ اَخَذَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ آدَمَ وَذُرِّیَّتِہٖ حَقٌّ.

**ترجمہ:** (۴۲) اور حوض کوثر برحق ہے جس کی وجہ سے اللہ نے آپ کو اعزاز بخشا آپکی امت کی سیرابی کا ذریعہ بنا کر۔ (۴۳) اور شفاعت بھی برحق ہے آپ نے لوگوں کیلئے اسکو ذخیرہ بنا کر رکھا ہے۔ (۴۴) اور میثاق بھی برحق ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے آدم اور اولاد آدم سے لیا۔ کما فی الاحادیث۔

**تشریح:** (۴۲) حشر کے دن اللہ کی طرف سے ہر نبی کو ایک حوض عطا ہوگا جس سے وہ اپنی امت کو سیراب کریں گے۔ نبی اکرم ﷺ کو بھی ایک حوض عطا کیا جائے گا۔ جس کو قرآن مجید میں کوثر کہا گیا ہے۔ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے حوض کوثر اسی کی شاخ ہے۔ یہ حوض آپ کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ جو

اس قدر طویل وعریض ہوگا کہ اس کی ایک جانب سے دوسری جانب تک پہنچنے میں ایک مہینہ کی مسافت درکار ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو مشک سے بھی زیادہ اچھی ہوگی۔ اس کے کوزے آسمان کے تاروں کی طرح حسین و چمکدار۔ اور بے شمار ہونگے۔ (عمدۃ المغیث ص ۶۴)

حوض کوثر کے بارے میں روایات حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ تیس سے زائد صحابہ اس کے راوی ہیں۔

(۴۳) حشر کے دن شفاعت کی مختلف نوعیتیں ہونگی۔ بعض تو آپ ہی کے ساتھ خاص ہونگی بعض شفاعتوں کا حق دوسروں (انبیاء۔ ملائکہ۔ علماء۔ شہداء۔ صلحاء۔ حفاظ وغیرہ مؤمنوں) کو بھی ملے گا جس تفصیل یہ ہے۔

(۱) حشر کی شدت سے بچانے۔ اور حساب وکتاب شروع کرانے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے حق میں سفارش فرمائیں گے۔ یہ شفاعت عظمیٰ کہلاتی ہے۔

(۲) ایک طبقہ کو بلا حساب وکتاب۔ (۳) جن لوگوں کی گناہ اور نیکیاں برابر ہونگی۔ (۴) اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہوچکے ہونگے۔ جنت میں داخل کرانے کی آپؐ سفارش فرمائیں گے۔ (۵) کچھ لوگوں کے درجات اور اعزاز واکرام میں اضافہ کی بھی آپ سفارش فرمائیں گے اس سفارش کا معتزلہ بھی اقرار کرتے ہیں۔ (۶) جہنم میں چلے گئے مسلمانوں کو نکال کر جنت میں داخل کئے جانے کی سفارش فرمائیں گے۔ یہ شفاعت مشترک ہوگی۔ انبیاء ملائکہ علماء مؤمنین بھی اپنے اپنے طور پر لوگوں کی سفارش کریں گے۔ معتزلہ وخوارج اس کا انکار کرتے ہیں۔ جبکہ اس کے بارے میں حدیث ہے۔ شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ۔ میری سفارش امت کے اہل کبائر کے لئے بھی ہوگی۔ (۷) دائمی جہنمی کے عذاب میں تخفیف کے لئے جیسے ابوطالب۔ (۸) صرف اہل مدینہ کے لئے۔ (۹) صرف روضۂ اقدس کی زیارت کرنے والے کیلئے۔ (۱۰) اہل جنت کو جنت میں داخلہ کی اجازت کے لئے۔

شفاعت کی اجازت عام نہیں ہوگی بلکہ شفاعت کی اجازت خاص خاص لوگوں

کو دیجائیگی ارشاد باری ہے۔مَنْ ذی الَّذِی یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ(بقرہ)کون ہے جو سفارش کرے گا اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر۔

(۴۴) قرآن وحدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے قیامت تک آنے والی تمام روحوں کو چھوٹے اجسام کی شکل میں پیدا فرمایا۔اور انکو عقل وشعور بخشا اور ان سب سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔اس طرح اللہ نے فطری طور پر ہر فرد بشر کی طبیعت میں اپنی ربوبیت کی تخم ریزی فرمائی۔اور اس کی یاد دہانی کے لئے عقل سلیم۔وحی والہام اور آسمانی مذاہب کو اسکی بنیاد بنایا۔ہر مذہب کی ساری عمارت اسی اعتقاد واقرار پر کھڑی ہوئی ہے۔اسی فطری تخم ریزی کا اثر ہے کہ ابتداء آفرینش سے لے کر آج تک ہر مکتب فکر کے انسان کا خدا کی ربوبیت کبریٰ پر اتفاق واجماع ہے۔ورنہ فکر واستدلال کے ذریعہ ایسا اتفاق پیدا کرنا تقریباً ناممکن تھا۔مصنفؒ نے میثاق کے ذریعہ ارشاد باری کی جانب اشارہ کیا ہے۔وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِی آدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی(اعراف)اور اس وقت کو یاد کرو جب تیرے رب نے بنی آدمؑ سے ان کی پشت سے انکی اولاد کو پیدا کر کے عہد لیا۔اور ان کو ان کے نفسوں پر گواہ بنایا۔کیا میں تمہارا رب نہیں۔بولے ہاں۔

(٤٥)وَقَدْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيمَا لَمْ يَزَلْ عَدَدَ مَنْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ وَيَدْخُلِ النَّارَ جُمْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا يَزْدَادُ فِي ذٰلِكَ الْعَدَدِ وَلَا يَنْقُصُ مِنْهُ.
(٤٦)وَكَذٰلِكَ اَفْعَالُهُمْ فِيمَا عَلِمَ مِنْهُمْ اَنْ يَفْعَلُوْهُ وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ وَالْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ وَالسَّعِيْدُ مَنْ سَعِدَ بِقَضَاءِ اللّٰهِ وَالشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ بِقَضَاءِ اللّٰهِ

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کو ایک دم ازل سے ان لوگوں کی تعداد معلوم ہے جو جنت میں جائیں گے اور ان لوگوں کی تعداد جو جہنم میں جائیں گے پس اس تعداد میں نہ کوئی اضافہ ہوگا نہ کمی ایسے ہی لوگوں کے وہ اعمال اللہ کے علم میں ہیں جو

انہیں مستقبل میں انجام دیتے ہیں۔ اور ہر آدمی کو وہی کام میسر آتا ہے جسکے واسطے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ اعمال خاتمہ کے اعتبار سے دیکھے جاتے ہیں۔ اور نیک بخت وہی ہے جو اللہ کے فیصلہ سے نیک بخت بنا اور بد بخت وہی ہے جو اللہ کے فیصلہ کے مطابق بد بخت بنا۔

**تشریح:** (۴۵) اللہ تعالیٰ کا علم ازلی وابدی ہے۔ اس کو ازل سے معلوم ہے کہ کون جنتی ہے اور کون جہنمی۔ ان کی تعداد کا علم بھی اس کو ازل ہی سے ہے۔ اس عدد میں کمی بیشی کا احتمال نہیں۔ ارشاد باری ہے۔ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (کہف) ایک فریق جنت اور ایک جہنم میں ہوگا۔ وَاَحْصیٰ کُلَّ شَئيٍ عَدَداً (جن) اور گن لی اس نے ہر چیز کی گنتی۔ جس میں جنتیون اور جہنمیوں کی تعداد بھی شامل ہے۔

(۴٦) اللہ تعالیٰ کو ازل ہی سے تمام بندوں کے اعمال کی بھی خبر ہے کہ کون کیا عمل کرے گا اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ یہ سن کر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر تو ہم تقدیر پر تکیہ کر کے بیٹھ جائیں آپ ﷺ نے فرمایا۔ اِعْمَلُوْا فَکُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ۔ عمل کرو پس تم میں سے ہر ایک کو وہی کام میسر آئے گا اور اسی کی توفیق ملے گی جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی اگر وہ اہل سعادت میں سے ہے تو ایسے اعمال کی توفیق ملے گی۔ اور اسی حالت پر خاتمہ ہوگا۔ اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اور اگر وہ اہل شقاوت میں سے ہے تو ایسے ہی اعمال اس سے سرزد ہوتے رہیں گے۔ اور اسی حالت پر انتقال ہوگا۔ یہاں تک کہ جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔ ارشاد باری ہے فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی (لیل) سو جس نے دیا اور ڈرتا رہا اور سچ جانا بھلی بات کو تو ہم اس کو سہج سہج پہنچادیں گے آسانی میں۔ اور جس نے نہ دیا اور بے پرواہ رہا اور جھوٹ جانا بھلی بات کو سو ہم اس کو سہج سہج پہنچادیں گے سختی میں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ اِلیٰ قَوْلِهٖ فَاُولٰئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ (آل عمران) یعنی جو لوگ کافر تھے

اور کفر پرانہیں موت آئی توان کے لئے دردناک عذاب ہے۔اس آیت میں "وَهُمْ كُفَّار" کالفظ بتارہا ہے کہ آدمی کی آخری حالت کا اعتبار ہے۔حدیث میں ہے۔اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْم۔ یعنی اگر تمام عمر کافر رہا اور خاتمہ ایمان پر ہوا۔ تو وہ مؤمن شمار ہوگا۔ اور اس کا حشر مؤمنوں ہی میں ہوگا۔ اور اگر پوری زندگی مسلمان رہا اور خدانخواستہ مرتد ہوگیا تو وہ کافر شمار ہوگا۔اور کافروں ہی میں اس کا حشر ہوگا۔یہ سب پہلے سے تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔سعادت وشقاوت سب اللہ کے فیصلہ ازلی کے مطابق ہے۔جس کے لئے سعادت کا فیصلہ ہے تو وہ اس پر اس کا فضل ہے۔ اور جسکے لئے شقاوت کا فیصلہ ہے یہ اس پر اس کا عدل ہے۔

مگر چونکہ بندہ سے تقدیر کو اوجھل کر دیا گیا ہے۔اور بندہ اس کو جاننے کا نہ مکلف ہے۔نہ جاننے کی طاقت رکھتا ہے اس لئے اس کو اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے اگرچہ ہوگا وہی جو فیصلہ قدرت ہو چکا ہے۔

(٤٧) وَاَصْلُ الْقَدْرِ سِرُّ اللهِ فِي خَلْقِهِ لَمْ يَطَّلِعْ عَلىٰ ذٰلِكَ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ. وَالتَّعَمُّقُ وَالنَّظْرُ فِي ذٰلِكَ ذَرِيْعَةُ الْخُذْلَانِ، وَسُلَّمُ الْحِرْمَانِ وَ دَرَجَةُ الطُّغْيَانِ، فالحذر كُلَّ الحذر من ذالك نظراً وفكراً ووسوسةً فَاِنَّ اللهَ طَوىٰ عِلْمَ الْقَدْرِ عَنْ اَنَامِهٖ وَنَهَاهُمْ عَنْ مَرَامِهٖ كَمَا قَالَ تَعَالىٰ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ. فَمَنْ سَالَ لِمَ فَعَلَ فَقَدْ رَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ وَمَنْ رَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ كَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ

**ترجمہ:** (۴۷)اور تقدیر کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا ایک راز ہے۔اس کی مخلوق میں اس سے مقرب فرشتہ آگاہ ہے نہ کوئی نبی مرسل۔اس میں غور وفکر رسوائی کا ذریعہ۔ محرومی کا زینہ۔اور سرکشی کا راستہ ہے۔پس تقدیر کے مسئلہ میں غور وفکر اور وسوسہ سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ نے تقدیر کا علم اپنی

مخلوق سے سمیٹ لیا ہے۔ اور ان کو اس کی طلب سے روک دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں کی جا سکتی اور لوگوں سے ان کے اعمال کی باز پرس ہو گی۔ پس جس نے یہ پوچھا کہ اللہ نے یہ کام کیوں کیا۔ تو اس نے قرآن کریم کے حکم (لا یسئل الخ) کو مسترد کر دیا۔ اور جس نے کتاب اللہ کے حکم کو مسترد کر دیا وہ زمرہ کفار میں شامل ہو گیا۔

**توضیح:** ذریعۃ۔ وسیلہ۔ سلم زینہ۔ خذلان۔ حرمان۔ طغیان تینوں متقارب المعنیٰ ہیں۔ البتہ خذلان۔ نصرت۔ حرمان۔ ظفر۔ اور طغیان۔ استقامت کا مقابل ہے۔ فالحذر ف فصیحہ۔ الحذر احذر محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ کل الحذر تاکید کے لئے ہے۔ نظرا وفکرا ووسوسۃ تمیز ہے۔ ابہام نسبت کو دور کرنے کے لئے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہو گی۔ اذا کان الامر کذلک فاحذر حذرا کل الحذر۔

**تشریح:** (۴۷) تقدیر کا مسئلہ قطعی بڑا اہم اور دین کے مضبوط عقائد میں سے ہے، نفس تقدیر اگرچہ عقل وفہم سے باہر نہیں۔ لیکن اصل تقدیر کا ادراک عقل وفہم سے نہیں ہو سکتا یہ اسرار خداوندی ہے جسکے علم سے اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کو بھی دور رکھا ہے۔ اس کی حکمت ومصلحت بھی وہی جانتا ہے۔ اس کی جستجو میں بلا وجہ فکر کے عقلی گھوڑے دوڑانا لا حاصل اور گمراہی کا باعث ہے۔ ہر چیز کا تعلق قضا وقدر سے ہے۔ کافر کا کفر۔ مؤمن کا ایمان وغیرہ ہر چیز اسی کی مشیت اور قضا وقدر سے ہوتی ہے۔ لیکن وہ کافر کے کفر سے راضی نہیں ہے اس کی مشیت کفر حکمت تکوینی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور عدم رضاء امر دینی کی وجہ سے۔ بہر حال تقدیر کی حقیقت اس کے سوا کوئی نہیں جانتا جو اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دے وہ ہدایت پر ہے اور جو اس کی تحقیق میں پڑے اور سوالات کا سلسلہ رکھے تو وہ گمراہی اور کفر کی حد میں داخل ہے۔ کیونکہ عبدیت اور عبودیت اور ایمان کی بنیاد تسلیم واطاعت پر ہے اور اس کی خلاف ورزی کفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء اور مقرب فرشتے بھی گھٹنے ٹیک دیتے

ہیں۔ اور تسلیم واطاعت اختیار کرتے ہیں اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو حضور علیہ السلام کو عالم غیب مانتے ہیں۔

(۴۷) فَهٰذِهٖ جُمْلَةُ مَا يَحْتَاجُ اِلَيْهِ مَنْ هُوَ مُنَوَّرٌ قَلْبُهٗ مِنْ اَوْلِيَاءِ اللهِ تَعَالٰى وَهِيَ دَرَجَةُ الرَّاسِخِيْنَ فِي الْعِلْمِ لِاَنَّ الْعِلْمَ عِلْمَانِ عِلْمٌ فِي الْخَلْقِ مَوْجُوْدٌ وَعِلْمٌ فِي الْخَلْقِ مَفْقُوْدٌ. فَاِنْكَارُ الْعِلْمِ الْمَوْجُوْدِ كُفْرٌ وَادِّعَاءُ الْعِلْمِ الْمَفْقُوْدِ كُفْرٌ وَلَا يَصِحُّ الْاِيْمَانُ اِلَّا بِقَبُوْلِ الْعِلْمِ الْمَوْجُوْدِ وَتَرْكِ طَلَبِ الْعِلْمِ الْمَفْقُوْدِ.

**ترجمہ:** (۴۷) پس (منزل من اللہ) یہ تمام باتیں وہ ہیں جن کو اولیاء اللہ میں سے ہر وہ شخص تسلیم کرتا ہے۔ جس کا دل منور ہے اور یہ مقام راسخین فی العلم کو نصیب ہوتا ہے اس لئے کہ علم دو ہیں (۱) وہ علم جو مخلوق میں موجود ہے۔ (۲) وہ علم جو مخلوق میں مفقود ہے۔ پس موجود علم کا انکار اور مفقود علم کا دعویٰ دونوں کفر ہیں اور ایمان صحیح نہیں ہوتا مگر موجود علم کو قبول کرنے۔ اور مفقود علم کی طلب ترک کرنے سے۔

**توضیح:** علم موجود۔ وہ علم ہے شریعت کا جو کتاب وسنت میں موجود ہے۔
علم مفقود۔ وہ علم ہے تقدیر الٰہی کا جسے اللہ نے کائنات سے پوشیدہ رکھا ہے

**تشریح:** (۴۷) کتاب وسنت میں شرعی احکامات۔ عبرتیں۔ مثال وواقعات وغیرہ علم موجود کہلاتے ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ اس آیت میں اسی علم کی جانب اشارہ ہے۔ اس کے سوا باقی علم مفقود ہے مثلاً روح کی حقیقت کا علم۔ قیامت کے وقوع کا علم۔ غیب کی باتوں کا علم وغیرہ، ارشاد باری ہے وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلاً۔ یعنی تم کو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کب ہوگا قیام اس کا۔ فِيْمَ

اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا تجھ کو کیا کام اسکے ذکر سے۔ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا (نازعات) تیرے رب کی طرف سے پہنچ اس کی۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ (انعام) غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں اس کے سوا نہیں کوئی نہیں جانتا۔ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ. اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (لقمان) اور اتارتا ہے مینہ۔ اور جانتا ہے جو کچھ ہے ماں کے پیٹ میں۔ اور کسی جی کو معلوم نہیں کہ کل کو کیا کرے گا اور کسی جی کو خبر نہیں کہ کس زمین میں مرے گا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔ مصنفؒ نے ھذہ کہہ کر اس جانب اشارہ کیا ہے کہ ماقبل میں ذکر کی گئی یہ سب باتیں وہ ہیں جن کا ہر مؤمن محتاج ہیں۔ جن کے بغیر ایمان صحیح نہیں ہوتا اور اولیاء اللہ اور راسخین فی العلم سب ان باتوں کے محتاج ہیں اور ان کو مانتے ہیں۔ اور جن چیزوں کو نہیں جانتے ان کو اللہ کے حوالہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی جستجو و تلاش گمراہی اور انکا دعویٰ کفر ہے۔

(۴۸) وَنُؤْمِنُ بِاللَّوْحِ وَالْقَلَمِ وَبِجَمِيْعِ مَا قَدْ رُقِمَ فَلَوِ اجْتَمَعَ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ كَتَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهِ اَنَّهٗ كَائِنٌ لِيَجْعَلُوْهُ غَيْرَ كَائِنٍ لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا كُلُّهُمْ عَلٰى مَا لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ لِيَجْعَلُوْهُ كَائِنًا لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ.

**ترجمہ:** (۴۸) اور ہم لوح و قلم اور ان تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو قلم نے تقدیر میں لکھ دی ہیں پس اگر تمام مخلوق مل کر کسی چیز کو جس کے بارے میں اللہ نے لکھدیا کہ وہ ہوگی۔ نہ ہونے دیں تو وہ اس کی قدرت نہیں رکھتی (ناکام رہے گی) اور اگر تمام مخلوق مل کر کسی چیز کو جس کے بارے میں اللہ نے نہیں لکھا کہ وہ ہوگی اس کو ہونے والی بنادے تو وہ اس کی بھی قدرت نہیں رکھتی۔ قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کو لکھ کر قلم بند کر دیا گیا۔

**تشریح:** (۴۸) اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا فرما کر قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کو لوح محفوظ میں لکھوا دیا۔ لوح و قلم میں اللہ نے پہلے کس کو پیدا فرمایا۔ اس میں دونوں قول ہیں۔ اور دونوں قولوں کی تائید روایت سے ہوتی ہے۔ بعض حضرات نے دونوں روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے عرش یعنی لوح محفوظ کو مخلوق اول ثابت کیا۔

احادیث میں چار طرح کے قلم کا ثبوت ملتا ہے۔ (۱) وہ قلم جس نے تمام مخلوقات کو لکھا۔ یعنی سب کچھ لکھا۔ (۲) وہ قلم جس نے بنی آدمؑ کے اعمال ان کی روزی عمر اور ان کی سعادت و شقاوت کو لکھا۔ (۳) جب بچہ رحم مادر میں ہوتا ہے اور اس میں روح ڈال دی جاتی ہے تو فرشتہ بحکم خداوندی اس کا رزق عمر عمل اور اس کی سعادت و شقاوت کو لکھ دیتا ہے۔ (۴) جب بندہ بالغ ہو جاتا ہے تو کراماً کاتبین اس کے اعمال لکھتے ہیں۔ ارشاد باری ہے نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ۔ قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں۔ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيْدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوْظٌ (بروج) کوئی نہیں یہ قرآن ہے بڑی شان کا لکھا ہو الوح محفوظ میں۔ يَمْحُوْ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ (رعد) اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِيْنٍ. (نمل) اور کوئی چیز نہیں جو غائب ہو آسمان میں اور زمین میں مگر موجود ہے کھلی کتاب میں۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَاِنَّا لَهٗ كَاتِبُوْنَ (انبیاء) سو جو کوئی کرے کچھ نیک کام اور وہ رکھتا ہو ایمان سو اکارت نہ کریں گے ہم اس کی سعی کو اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں۔ (کراماً کاتبین سے لکھوا لیتے ہیں)

بہر حال لوح محفوظ اور قلم پر ہمارا ایمان ہے۔ اور قلم نے جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا اس پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ اور اس پر بھی کہ تمام مخلوق اللہ کے لکھے کو بدلنا چاہے تو نہیں بدل سکتی۔

(۴۹)وَمَا اَخطأ العَبْدَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهٗ وَمَا اَصَابَهٗ لَمْ يَكُنْ لِيُخطِئَهٗ. (۵۰)وَعَلَى العَبْدِ اَنْ يَعْلَمَ اَنَّ اللهَ تَعَالىٰ سَبَقَ عِلْمُهٗ فِي كُلِّ كَائِنٍ مِنْ خَلْقِهٖ فَقَدَّرَ ذٰلِكَ بِمَشِيَّتِهٖ تَقْدِيْراً مُحْكَماً مُبْرَماً لَيْسَ لَهٗ نَاقِضٌ وَلَا مُعَقِّبٌ وَلَا مُزِيْلٌ وَلَا مُغَيِّرٌ وَلَا مُحَوِّلٌ وَلَا زَائِدٌ وَلَا نَاقِصٌ مِنْ خَلْقِهٖ فِي سَمٰوٰتِهٖ وَاَرْضِهٖ

**ترجمہ:** (۴۹)اور جو بندے نے خطا کی اس کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ درست کام کرتا اور جس نے درست کام کیا اس کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ خطا کرتا۔ (۵۰)اور بندگان خدا کے لئے لازم ہے کہ وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جان لیں کہ جو کچھ کائنات میں ہو رہا ہے وہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس کے متعلق اللہ کی مشیت کے مطابق مستحکم اور نہ بدلنے والا فیصلہ کیا ہوتا ہے اللہ کی زمین و آسمان میں مخلوق میں سے اس فیصلہ کو نہ کوئی توڑ سکتا نہ کوئی ملتوی کر سکتا نہ کوئی زائل کر سکتا نہ کوئی بدل سکتا نہ کوئی منتقل کر سکتا نہ اس میں کوئی اضافہ کر سکتا نہ کمی کر سکتا۔

**تشریح:** (۴۹) بندہ کی خطاء اور درستی تقدیر ازلی کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر اس کے مقدر میں عمل خطاء ہے تو ایسے ہی اسباب ظاہر ہونگے جس سے وہ خطاء کا مرتکب ہو۔ اور اگر تقدیر میں عمل صالح مقدر ہے۔ تو عمل صالح کے اسباب پیدا ہونگے اس کے برخلاف نہیں ہوگا۔

(۵۰) اللہ تعالیٰ کا علم ازلی وابدی ہے۔ وہ تخلیق سے پہلے اور تخلیق کے بعد کے تمام احوال سے باخبر ہے۔ جو کائنات میں اب تک ہو چکا اور جو کچھ آئندہ ہوگا۔ یہ سب اس کے علم ازلی میں ہے۔ اور اس کے پاس ام الکتاب (علم قدیم) میں لکھی ہوئی ہیں۔ ارشاد باری ہے وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ اِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِيْنٍ۔ (انعام) اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور جو پتہ گر جاتا ہے اس کو بھی جانتا ہے۔ اور جو دانہ زمین کی تاریکیوں میں ہوتا ہے اور رطب و یابس چیزیں

سب لوح محفوظ (اللہ کے علم قدیم) میں محفوظ ہیں۔

اس میں ان مشرکین، صابئین اور فلاسفہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہوتا ان کے واقع ہونے سے پہلے حالانکہ یہ تقدیر ازلی۔ اس کے علم محیط کے منافی ہے جو کفر ہے۔

تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) تقدیر مبرم۔ (۲) تقدیر معلق۔

(۱) تقدیر مبرم: اللہ تعالیٰ کا محکم، نہ بدلنے والا فیصلہ، جس کو مخلوق میں کوئی ٹال نہیں سکتا، نہ اس میں کوئی ترمیم و تبدیلی کر سکتا۔ ارشاد باری ہے۔ مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا یُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ (فاطر) جو کچھ کھول دے اللہ لوگوں پر رحمت تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور جو کچھ روک رکھے تو اس کو کوئی اس کے سواء بھیجنے والا نہیں۔ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (یونس) اگر پہنچاوے تجھ کو اللہ کوئی تکلیف تو اس کو کوئی ہٹانے والا نہیں۔ اور اگر چاہے وہ تیرے ساتھ کوئی بھلائی۔ تو اس کے فضل کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ وَاللّٰهُ یَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ (رعد) اور اللہ فیصلہ کرتا ہے اس کے فیصلہ کا کوئی تعاقب نہیں کر سکتا۔ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ۔ (انعام) اللہ کے کلمات (احکام) کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ سب آیتیں تقدیر مبرم کی دلیلیں ہیں۔

(۲) تقدیر معلق: اللہ تعالیٰ کا کسی حکم کو کسی عمل پر معلق کر دینا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں کسی شخص کے متعلق لکھ دیا کہ اگر اس نے حج کیا تو اس کی عمر بیس سال ہوگی اور اگر حج نہیں کیا تو اس کی عمر پندرہ سال ہوگی۔ تقدیر کی یہ قسم وہ ہے جس میں شرط کے مطابق کمی زیادتی تغیر و تبدیلی ہوتی ہے۔ تقدیر کی اسی قسم کے متعلق ارشاد باری ہے یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ

"اللہ تعالیٰ مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور باقی رکھتا ہے۔ اور اس کے پاس اصل کتاب یعنی علم قدیم ہے" (مرقاۃ ج اص ۱۴۶)

حدیث رسول سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ لَا یُرَدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا یَزِیْدُ فِی الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ (مشکوۃ باب البر والصلۃ)

خلاصہ یہ ہے کہ تقدیر الٰہی کو نہ کوئی بدل سکتا نہ اس میں اس کے سوا کوئی کمی زیادتی کر سکتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (فاطر) اضافہ کرتا ہے مخلوق میں جو چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (رعد) "کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم زمین کو چلے آتے ہیں گھٹاتے اسکے کناروں سے"

(۵۱) وَلَا یَكُوْنُ مُكَوَّنٌ اِلَّا بِتَكْوِیْنِهٖ وَالتَّكْوِیْنُ لَا یَكُوْنُ اِلَّا حَسَنًا. (۵۲) وَذٰلِكَ مِنْ عَقْدِ الْاِیْمَانِ وَاُصُوْلِ الْمَعْرِفَةِ وَالْاِعْتِرَافِ بِتَوْحِیْدِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَرُبُوْبِیَّتِهٖ كَمَا قَالَ تَعَالٰی وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا. وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَقْدُوْرًا.

**ترجمہ:** (۵۱) اور کوئی مکون (مخلوق) نہیں ہوتی مگر اس کی تکوین (تخلیق) سے۔ اور تکوین نہیں ہوتی مگر حسن۔ (۵۲) اور ان تمام حقائق کو تسلیم کرنا ایمان کی پختگی۔ معرفت کی بنیاد اور توحید باری اور اس کی ربوبیت کا اعتراف ہے۔ جیسکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا (فرقان) اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک انداز ٹھہرایا۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا (احزاب) اور خدا کا حکم مقرر ہو چکا تھا۔

**تشریح:** (۵۱) اللہ تعالیٰ جیسے اپنی ذات میں یکتا ہے ایسے ہی اپنی صفات میں بھی یکتا ہے۔ اور مخلوق جیسے اپنی ذات کے اعتبار سے اس کی تخلیق کی محتاج ہے ایسے اپنی صفات میں بھی۔ اس کی تخلیق کی محتاج ہے، پس مخلوق میں تمام صفات اس کی صفات سے پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ بندہ مرحوم اس کی رحمت سے۔ مقدس اس کی تقدیس سے عالم اس کی تعلیم سے گمراہ اس کی تضلیل سے ہدایت یافتہ اس کی صفت

ہدایت سے ہوتا ہے۔اسی طرح ہر صفت کا حال ہے۔

(۵۲)شرح عقیدۃ الطحاویہ کے حاشیہ میں۔ عقد کے بجائے عقائد کا لفظ ہے اور دونوں درست ہیں کیونکہ عقد کے معنی پختگی کے ہیں۔اور عقائد کے ذریعہ ایمان میں پختگی ہوتی ہے ارشاد باری ہے۔صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ اِنَّهٗ خَبِیْرٌ بِمَا تَفْعَلُوْنَ (نمل) یہ کاری گری اللہ کی جس نے ہر چیز کو درست کیا بے شک وہ تمہارے افعال سے باخبر ہے۔

مصنفؒ کی مرتب عبارت سے اس جانب اشارہ ہے کہ ایمان میں قوت معرفت سے پیدا ہوتی ہے۔اور معرفت کی اساس توحید باری کا اقرار ہے۔اور توحید کی تکمیل دو چیز سے ہوتی ہے۔(۱) توحید فی الخلق۔(۲) توحید فی الامر۔

(۱) توحید فی الخلق: یعنی مخلوق کی ذات وصفات کا خالق۔مکوِن۔ رب۔ نافع۔ ضار۔ قیوم وغیرہ صرف اللہ کو جانے۔ (۲) توحید فی الامر: شارع اور حاکم صرف اللہ کو مانے۔تمام امور میں اسی کی حکومت کو تسلیم کرے۔

توحید کی یہ دونوں قسمیں تقدیر کے اقرار اور ان تمام حقائق کو تسلیم کرنے سے مکمل ہوتی ہیں۔یعنی اس بات کا اقرار کرے کہ تقدیر بنانے والا صرف اللہ ہے اور اس نے ہر چیز کو مقدر کر دیا۔مخلوق میں تخلیق یا کسی حکم کا نازل کرنا اسی تقدیر کے تحت ہوتا ہے۔ متن میں ذکر کردہ دونوں آیتوں میں توحید کی ان دونوں قسموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

**(۵۳) فَوَيْلٌ لِّمَنْ صَارَ لِلّٰهِ فِي الْقَدَرِ خَصِيْماً وَّاَحْضَرَ لِلنَّظْرِ فِيْهِ قَلْباً سَقِيْماً لَقَدِ الْتَمَسَ بِوَهْمِهٖ فِي فَحْصِ الْغَيْبِ سِرّاً كَتِيْماً وَعَادَ بِمَا قَالَ فِيْهِ اَفَّاكاً اَثِيْماً. (۵۴) وَالْعَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ حَقٌّ كَمَا بَيَّنَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي كِتَابِهٖ وَهُوَ مُسْتَغْنٍ عَنِ الْعَرْشِ وَمَا دُوْنَهٗ مُحِيْطٌ بِكُلِّ شَيْءٍ وَفَوْقَهٗ وَقَدْ عَجَزَ عَنِ الْاِحَاطَةِ خَلْقُهٗ.**

ترجمہ: (۵۳) پس ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو تقدیر کے مسائل میں

جھگڑالو بنا اور بیمار دل کے ساتھ اس میں غور و فکر کی یقیناً اس نے اپنے وہم و گمان کے مطابق غیب کی جستجو میں چھپے ہوئے رازہائے خداوندی کی (بے فائدہ لاحاصل) تلاش کی۔ اور تقدیر کے مسائل کو بیان کرنے میں کذاب اور افترا او پرداز بن گیا۔ (۵۴) اور عرش و کرسی برحق ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا اور وہ عرش اور غیر عرش سے بے نیاز ہے۔ ہر چیز کو محیط ہے۔ ہر چیز پر غلبہ و فوقیت رکھتا ہے۔ اس کی مخلوق اس کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔

**تشریح:** روحانی طور پر اگر دل ایمان اور نور ہدایت سے مجلیٰ ہے تو وہ قلب سلیم اور زندہ دل کہلاتا ہے۔ اور وہ باطل اور بری چیزوں سے نفرت کرتا ہے۔ ان کی طرف التفات نہیں کرتا۔ اور اگر کفر و شرک کی گرداب میں پھنس جاتا ہے تو اس کو مردہ قلب کہتے ہیں اور اگر وہ بری چیزوں سے نفرت نہیں کرتا بلکہ انہیں قبول کرتا ہے تو وہ دل بیمار کہلاتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اس میں ایسی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اچھے برے اور معروف و منکر میں فرق نہیں کر پاتا اور یہ کمزوری جس قدر بڑھتی جاتی ہے اس کا معیار تفریق اتنا ہی گر جاتا ہے۔

قلب کا مرض دو طرح کا ہوتا ہے (۱) مرض علمی یعنی مرض شبہات۔ (۲) مرض عملی یعنی مرض شہوات۔ ان دونوں میں زیادہ مضر مرض شبہات ہے۔ اور اس میں بھی تقدیر کے مسئلہ میں شبہ کرنا زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔ تقدیر کے مسئلہ میں سکوت تسلیم و انقیاد۔ سلامت قلب اور زندہ دلی ہے۔ اور اس میں اناب شناپ گفتگو خیال آرائی لاحاصل جستجو مردہ دلی اور مریض ہونے کی علامت ہے۔ ارشاد باری ہے۔

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَمْشِىْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا۔ (انعام) بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا۔ پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کو دی روشنی کہ لئے پھرتا ہے اس کو لوگوں میں برابر ہو سکتا ہے اس کے جس کا حال یہ ہے کہ پڑا ہے اندھیروں میں وہاں سے نکل نہیں سکتا۔

(۵۴) ارشاد باری ہے وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ذُوْ الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ (بروج) وہی ہے بخشنے والا محبت کرنے والا، عرش کا مالک بڑی شان والا۔ معلوم ہوا کہ عرش برحق ہے مگر فلاسفہ اسکا انکار کرتے ہیں۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ (بقرہ) اس کی کرسی آسمان وزمین کو وسیع ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کرسی بھی برحق ہے۔ کرسی عرش کے لئے زینہ کی طرح ہے۔ جس کے ذریعہ بلند عرش پر چڑھا جاتا ہے۔ (بدایہ والنہایہ)

چونکہ اللہ تعالیٰ عرش وکرسی کا خالق ہے۔ اور خالق مخلوق سے مستغنی ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ عرش وکرسی سے بے نیاز ہے۔ البتہ اس نے عرش وکرسی اس لئے پیدا کی تاکہ اس کی شان ملوکیت کا اظہار ہو۔ کیونکہ شاہی لوازمات میں شاہی تخت اور شاہی کرسی ہوتی ہے۔ اسی لئے آیت باری ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ میں اللہ کے عرش پر قیام کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں بادشاہوں کی تخت نشینی کی ایک صورت ہوتی ہے۔ اور ایک غرض وغایت یعنی ملک پر پورا تسلط واقتدار کی صلاحیت کا حاصل کرنا حق تعالیٰ کے استوی علی العرش میں یہ حقیقت یعنی پورا تسلط واقتدار بدرجہ کمال موجود ہے، کہ نظام کائنات پر مکمل شاہانہ ومالکانہ تصرف کا حق بے روک ٹوک اس کو حاصل ہے۔ لیکن اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کی ظاہری کیفیت کیا ہے۔ تو اس میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا عرش پر قیام اس کی شایان شان ہے۔ مخلوق کی طرح نہیں۔

عرش کی مثال قبہ جیسی ہے جیسے کائنات پر کوئی قبہ ہو وہ اپنے ماتحت کو محیط ہو اللہ تعالیٰ عرش اور عرش کے ماتحت ومافوق کو محیط ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے احاطہ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فلک کی طرح ہے۔ اور اس میں مخلوقات داخل ہیں۔ اللہ کی ذات اس سے بالاتر ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت۔ وسعت علم قدرت وحفاظت تصرف وتدبیر کے اعتبار سے تمام عالم اس کی مٹھی میں ہے۔ البتہ مخلوق اس کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔ ارشاد باری ہے، وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۔ (طٰہٰ) لوگ اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کرسکتے۔

(۵۵) وَنَقُوْلُ اِنَّ اللهَ اتَّخَذَ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلاً. وَكَلَّمَ مُوْسٰى تَكْلِیْماً اِیْمَاناً وَتَصْدِیْقاً وَتَسْلِیْماً. (۵۶) وَنُؤْمِنُ بِالْمَلَائِكَةِ وَالنَّبِیِّیْنَ وَالْكُتُبِ الْمُنَزَّلَةِ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ وَنَشْهَدُ اِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْحَقِّ الْمُبِیْنِ. (۵۷) وَنُسَمِّیْ اَهْلَ قِبْلَتِنَا مُسْلِمِیْنَ مُؤْمِنِیْنَ مَا دَامُوْا بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. مُعْتَرِفِیْنَ وَلَهٗ بِكُلِّ مَا قَالَهٗ وَاَخْبَرَ مُصَدِّقِیْنَ.

**ترجمہ:** (۵۵) اور ہم پورے ایمان۔ تصدیق قلبی۔ اور تسلیم و رضاء کے ساتھ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنایا۔ اور موسیٰؑ سے بات کی۔ (۵۶) اور ہم ملائکہ۔ انبیاء۔ اور رسولوں پر نازل کی گئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ انبیاء کرامؑ واضح حق پر تھے۔ (۵۷) اور ہم قبلہ کو اس وقت تک مسلمان مؤمن سمجھتے ہیں جب تک وہ اس شریعت کے معترف رہیں جو رسول اکرمؐ لے کر آئے اور آپؐ کے تمام اقوال و احادیث کو صدق دل سے تسلیم کرتے ہیں۔

**تشریح:** (۵۵) معتزلہ، جہمیہ اور فلاسفہ کہتے ہیں کہ محبت، محب اور محبوب کے درمیان مناسبت پر ہوتی ہے اور قدیم و حادث کے درمیان کوئی مناسبت نہیں اس لئے ابراہیمؑ خلیل اللہ۔ موسیٰؑ کلیم اللہ۔ حضور حبیب اللہ نہیں ہو سکتے۔ اس خیال فاسد کا مخترع اول جعد بن درہم ہے۔ خالد بن عبد اللہ القشیری نے جو عراق کے امیر تھے اس کو اسی جرم میں عید الاضحیٰ کے دن قتل کیا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ نے ابراہیمؑ کے خلیل اللہ اور موسیٰؑ کے کلیم اللہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ارشاد باری ہے۔ اِتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلاً۔ (نساء) وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْماً۔ (نساء)

(۵۶) ایمان کے سات اجزاء ہیں۔ جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان کے بغیر کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا۔ (۱) اللہ پر ایمان لانا۔ (۲) فرشتوں پر ایمان لانا۔ (۳) تمام رسولوں پر ایمان لانا۔ (۴) اللہ کی تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا۔ (۵) فرشتوں پر

ایمان لانا۔ (٦) تقدیر پر ایمان لانا۔ (٧) مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے (جنت جہنم) پر ایمان لانا۔ ارشاد باری ہے۔ آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ (بقرہ) مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی سب نے مان لیا۔ اللہ کو اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو ہم اس کے رسولوں میں کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا۔ (نساء) جو انکار کرے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا یوم آخرت کا تو وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا۔ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا۔ (نساء) بے شک جو لوگ اللہ۔ اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کر دیں اور کہتے ہیں ہم بعض کو مانتے ہیں بعض کو نہیں مانتے اور اس کے درمیان راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں سو یہ لوگ پکے کافر ہیں۔

فلاسفہ تقریباً ان تمام باتوں کا انکار کرتے ہیں۔ یا ان کے معانی میں تحریف کرتے ہیں۔

(٥٧) مسلمان جب تک دین کی بنیادی اور ضروری باتوں کا منکر نہیں ہو گا یا کسی گناہ کو حلال نہیں جانے گا تو محض گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر نہیں کہا جائے گا۔ البتہ ضروریات دین کا منکر مسلمان اور اہل قبلہ شمار نہ ہو گا۔ اگرچہ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہو۔ ضروریات دین کے ماننے والے کو قرآن نے مسلمان کہا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا (حج) تمہارے باپ ابراہیمؑ کا دین اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا اور اس قرآن

میں۔ معلوم ہوا کہ اس امت مسلمہ کا لقب مسلمان اس کے وجود سے پہلے ہی ہے۔ اور اس کے وجود کے بعد بھی قرآن نے اسکو مسلمان کہا ہے۔

(۵۸) وَلَا نَخُوضُ فِي اللهِ وَلَا نُمَارِيْ فِي دِيْنِ اللهِ. (۵۹) وَلَا نُجَادِلُ فِي الْقُرْآنِ وَنَشْهَدُ اَنَّهُ كَلَامُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ فَعَلَّمَهُ سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّداً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ وَكَلَامُ اللهِ لَا يُسَاوِيْهِ شَيْئٌ مِنْ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِيْنَ وَلَا نَقُوْلُ بِخَلْقِهِ وَلَا نُخَالِفُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ

**ترجمہ:** (۵۸) اور ہم ذات خداوندی میں غور وخوض نہیں کرتے۔ اور نہ دین الٰہی میں جھگڑا کرتے۔ (۵۹) اور نہ ہم قرآن کریم کے (ظاہر اور معانی) میں جھگڑا کرتے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ رب العٰلمین کا کلام ہے۔ جسکو روح الامین (جبریل) لے کر اترے پھر سید المرسلین محمد ﷺ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین کو یہ کلام سکھلایا، اور یہ کلام الٰہی ہے۔ مخلوق کا کلام اس کے مساوی نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہم اس قرآن کو مخلوق کہتے اور ہم (کسی بھی مسئلہ میں) جماعت مسلمین کی مخالفت نہیں کرتے۔

**تشریح:** (۵۸) اللہ کی ذات و آیات میں غور وخوض کا مطلب ہے ایسے خیالات فاسدہ باطل رائے اور بے دلیل شکوک وشبہات کا اظہار جو انسان کا ذوق دین سے دور کردے مثلاً اللہ تعالیٰ کو انسانی صفات سے متصف کرنا ارشاد باری ہے۔ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللهِ (رعد) اور یہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِي آيَاتِ اللهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ اَتَاهُمْ۔ (مومن) "جو جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر کسی سند کے جو پہنچی ہو ان کو"

اسی طرح خواہش پرستوں کو شکوک وشبہات باطلہ کی وجہ سے اہل حق سے مخاصمہ کرنا دین الٰہی میں مخاصمہ کرنا ہے جو تحاکم الی الطاغوت کے مترادف ہے۔ یعنی اپنے مسائل و معاملات کو دین الٰہی سے حل نہ کرکے طاغوتی طاقتوں سے حل کراتا ہے۔

جس سے منع کیا گیا ہے۔اور اس طرح کا مخاصمہ دعوکہ وہی بھی ہے اور حق کا باطل سے التباس اور دعوت الی الباطل بھی۔ارشاد باری ہے۔یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ۔(نساء) چاہتے ہیں کہ فیصلہ لیجائیں شیطان کی طرف اور حکم ہو چکا ان کو کہ اس کو نہ مانیں۔وَقَالُوْا ءَاٰلِھَتُنَا خَیْرٌ اَمْ ھُوَ. مَا ضَرَبُوْہُ لَکَ اِلَّا جَدَلاً۔(زخرف) اور کہتے ہیں ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ یہ مثال جو دیتے ہیں تجھ پر سو جھگڑنے کو۔وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوْا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔(بقرہ)

(۵۹) قرآن کریم میں مجادلہ کا مطلب ہے۔اس کے الفاظ و معانی میں بے جا تاویل و تحریف تاکہ اہل حق میں اختلاف ہو۔اور ان کے خیالات متفرق ہو جائیں۔یہ اہل باطل کا طریقہ ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ارشاد باری ہے۔وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِہِ الْحَقَّ۔(کہف) اور جھگڑا کرتے ہیں کافر جھوٹا جھگڑا کہ ٹلا دیں اس سے سچی بات کو۔

قرآن کریم کے بارے میں اس بات کی شہادت بھی عقیدہ کی بنیاد میں داخل ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔بلکہ کلام الٰہی ہے۔اور خداوندی معجزہ ہے۔اس کا کلام الٰہی اور معجزہ ہونا اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم نے پہلے پورے قرآن۔پھر دس سورتیں۔پھر ایک سورۃ۔یہاں تک کہ ایک آیت اور ایک بات کا مثل لانے کا چیلنج انسانیت کے سامنے پیش کیا۔اور پوری دنیا کے فصیح اللسان و بلیغ الکلام انسان۔اس کا کسی بھی طرح مثل پیش کرنے سے قاصر و عاجز رہے۔ارشاد باری ہے:(۱) قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَلَوْکَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْراً۔(بنی اسرائیل) کہہ دیجئے کہ اگر انس و جن ایسا قرآن لانے پر جمع ہوں تو ہرگز نہ لائیں گے ایسا قرآن۔اور پڑے مدد کیا کریں ایکدوسرے کی۔(۲) اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرَاہُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِہٖ۔(ھود) کیا کہتے ہیں کہ اس کو محمد نے گھڑا ہے۔کہہ دیجئے۔لے آؤ اس کے برابر

دس سورتیں۔ (۳) فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِن مِّثْلِه (بقرہ) لاؤاس کے برابر ایک سورۃ۔ (۴) فَلْيَأْتُوا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِه (طور) پس لے آئیں وہ اس کے برابر ایک بات۔

جماعت مسلمین یعنی علماء امت کا سلفاو خلفا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کلام اللہ غیر مخلوق ہے۔ جو قرآن کو مخلوق کہتا ہے وہ اس اجماع کی مخالفت کرتا ہے۔ خلیفہ مامون کے دور خلافت میں اہل حق ائمہ علم ودین نے خلق قرآن کا انکار کرنے کی وجہ سے سخت ترین مصائب کا سامنا کیا۔ اور ایسی سزائیں جھیلیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس کے باوجود وہ حق پر قائم رہے۔ اور اس بات پر متفق رہے کہ قرآن کلام اللہ غیر مخلوق ہے۔

جفا کی تیغ میں گردن وفاشعاروں کی ۔۔۔ کٹی ہے بر سر میداں مگر جھکی تو نہیں

(٦٠) وَلَا نُكَفِّرُ اَحَداً مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ مَا لَمْ يَسْتَحِلَّهُ (٦١) وَلَا نَقُوْلُ لَا يَضُرُّ مَعَ الْاِيْمَانِ ذَنْبٌ لِمَنْ عَمِلَهُ. (٦٢) وَنَرْجُوْ لِلْمُحْسِنِيْنَ اَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَلَا نَاْمَنُ عَلَيْهِمْ وَلَا نَشْهَدُ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ وَنَسْتَغْفِرُ لِمُسِيْئِهِمْ وَنَخَافُ عَلَيْهِمْ وَلَا نُقَنِّطُهُمْ.

**ترجمہ:** (۶۰) اور ہم کسی اہل قبلہ کو گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہیں گے جب تک وہ (اعتقادی طور پر) گناہ کو حلال نہ سمجھنے لگے۔ (۶۱) اور نہ (اعتقادا) یہ کہتے کہ (گنہگار مؤمن کو) ایمان کے ساتھ گناہ مضر نہیں۔ (۶۲) اور ہم محسنین مؤمنین کے متعلق امید کرتے ہیں کہ اللہ ان کو معاف کردے گا۔ اور ہم ان کے متعلق (عذاب الٰہی سے) بے خوف بھی نہیں۔ اور نہ ہم ان کے بارے میں جنت کی (یقینی) گواہی دیتے ہیں۔ اور ہم ان میں کے گناہگاروں کے لئے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ اور ہم ان کے جنت میں داخلہ سے متعلق ڈرتے ضرور ہیں، لیکن مایوس نہیں ہیں۔

**تشریح:** (۶۰،۶۱) خوارج گناہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ گناہ کا مرتکب ایمان سے خارج ہے مگر کافر نہیں۔ یہ فرقہ ایمان

وکفر کے درمیان ایک درجہ اور تسلیم کرتا ہے۔ مرجیہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں۔ جیسے کفر کی حالت میں کوئی اطاعت وعبادت نافع نہیں۔ مگر یہ تینوں عقیدے غلط اور قرآن وسنت کے خلاف ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ معتدل اور قرآن وسنت کے عین مطابق ہے۔ وہ یہ کہ (۱) محض گناہ کے ارتکاب سے مسلمان کو ایمان سے خارج نہیں کیا جائے گا جب تک وہ گناہ کو حلال نہ سمجھے۔ کیونکہ گناہ کو حلال سمجھنا شریعت کا انکار ہے جو کفر ہے ارشاد باری ہے۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی (بقرہ) اے ایمان والوں تم پر قتل کی صورت میں قصاص واجب ہے۔ دیکھئے ناحق قتل گناہ کبیرہ ہے جس کی وجہ سے قصاص واجب کیا مگر ایمان سے خارج نہیں کیا۔ بلکہ مؤمن کہا اور اخوت دینی کی وجہ سے اہل ایمان کا بھائی کہا ارشاد باری ہے۔ وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا (الیٰ ان قال) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُم (حجرات) اگر مؤمنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔ الخ۔ بے شک مؤمن دینی بھائی ہیں۔ سو اپنے بھائیوں میں صلح کرادو۔ (۲) ایمان کی حالت میں گناہ مضر ہے۔ اسی لئے ایسے آدمی کو فاسق وفاجر اور مستحق سزا کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا اس کو جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ بحالت ایمان مؤمن کا گناہ کی وجہ سے جہنم میں جانا گناہ کے مضر ہونے کی دلیل ہے۔ شفاعت کی آیتیں اور حدیثیں بھی اس کی دلیل ہیں کیونکہ شفاعت مؤمنوں کے ساتھ خاص ہے۔ رہا کفر کی حالت میں نیکی کا نافع ہونا تو وہ بھی ثابت ہے۔ ابو طالب کفر کی وجہ سے مستقل جہنم میں رہیں گے لیکن ان کو تمام جہنمیوں سے ہلکا عذاب دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی میں حضورؐ کی حمایت اور نصرت کی۔ رہا معتزلہ کا ایمان وکفر کے درمیان ایک اور درجہ تسلیم کرنا۔ باقی تفصیل (۶۴) کے تحت۔

(۶۲) اسی طرح ہم ان مؤمنوں کے بارے میں جو نیکیوں کے ساتھ گناہ بھی کرلیتے ہیں اللہ کی ذات سے امید کرتے ہیں۔ کہ وہ انکے ساتھ درگذر کا معاملہ فرمائے

گا۔ لیکن ہم ان کے متعلق گرفت اور عذاب خداوندی سے بھی بے خوف نہیں کیونکہ گناہگار کی مغفرت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، ارشاد باری ہے وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۤءُ۔ (نساء) اور مشرک کے علاوہ جس کی چاہے گا بخشش کر دے گا۔ اور ہمیں اس کی مشیت کا علم نہیں نیز بندہ کے باطنی احوال کو بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اسی لئے اس گناہگار کے بارے میں بھی مغفرت اور گرفت میں سے کسی ایک پہلو کے متعلق یقین سے نہیں کہہ سکتے جس نے اپنے گناہ سے سچے دل اور اخلاص کے ساتھ توبہ کی ہو۔ کیونکہ اس کی توبہ قبول ہونے نہ ہونے کا کسی کو علم نہیں۔ ارشاد باری ہے۔ وَآخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحاً وَّآخَرَ سَيِّئاً عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (توبہ) اور بعضے لوگ ہیں کہ اقرار کیا انہوں نے اپنے گناہوں کا ملایا انہوں نے ایک کام نیک اور دوسرا بد۔ قریب ہے کہ اللہ معاف کرے انکو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ (اعراف) کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے سو بے ڈر نہیں ہوئے اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے۔

اسی وجہ سے ہم کسی مسلمان کے بارے میں یقینی شہادت نہیں دے سکتے کہ یہ جنتی ہے یا جہنمی۔ علاوہ ان حضرات کے جن کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بشارت سنادی ہو۔

چنانچہ انصار میں ایک بچہ کا انتقال ہو گیا حضرت عائشہؓ نے کہا اس بچہ کو خوش خبری ہو یہ جنت کا ایک پرندہ ہے حضور ﷺ نے فرمایا۔ یا عائشة اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ۔

بنی اسرائیل کے دو مرد تھے ایک عابد تھا دوسرا گنہگار۔ عابد جب اس کو گناہ کرتے دیکھتا تو منع کرتا ایک روز اس نے کہا تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دے کیا تجھے میرے رب نے مجھ پر نگران مقرر کیا ہے۔ اس نے کہا اللہ کی قسم اللہ تیری مغفرت

نہیں کرے گا۔ اور تجھ کو جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ جب ان دونوں کا انتقال ہو گیا اور اللہ کے سامنے حاضر ہوئے تو اللہ نے عابد سے کہا۔ کیا تو مجھے جانتا تھا۔ یا میری چیزوں پر قادر تھا۔ (جو تو نے قسم کھا کر اس کے جہنمی ہونے کا فیصلہ کر دیا تھا) اور گناہگار سے کہا جا میری رحمت سے جنت میں۔ اور عابد کو جہنم رسید کر دیا۔

اسی طرح بکثرت گناہ کرنے والے مسلمانوں کے لئے ہم استغفار کریں گے کیونکہ اللہ نے ہمیں مسلمان کے لئے استغفار کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد باری ہے رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ (حشر) اے ہمارے رب ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے مؤمن تھے۔ لیکن چونکہ اس دعاء کے قبول ہونے نہ ہونے کا ہمیں علم نہیں اس لئے اس کے عذاب سے بے خوف بھی نہیں ہونگے اور اس کی رحمت سے ناامید بھی نہیں۔ ارشاد باری ہے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعاً اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (زمر) اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ لَا تَيْاَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَيْاَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ۔ (یوسف) "اللہ کی ذات سے مایوس نہ ہو اللہ کی ذات سے کافر لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں"

وجہ اس کی یہ ہے کہ بندہ سے عذاب ساقط ہونے اور معافی کی مختلف وجوہات ہوتی ہیں مثلاً (۱) توبہ۔ (۲) استغفار۔ (۳) حسنات۔ (۴) دنیوی مصائب۔ (۵) قبر کی ہولناکیاں۔ (۶) حشر کی ہولناکیاں۔ (۷) مؤمنوں کی دعائیں مؤمنوں کے لئے۔ (۸) شفاعت کرنے والوں کی شفاعت۔ (۹) اللہ کا معاف کرنا۔

اب نہ معلوم بندہ کی مغفرت کس سبب کے تحت ہو جائے۔

---

**(۶۳) وَالْاَمْنُ وَالْيَاْسُ سَبِيْلَانِ مِنْ غَيْرِ مِلَّةِ الْاِسْلَامِ وَسَبِيْلُ الْحَقِّ بَيْنَهُمَا لِاَهْلِ الْقِبْلَةِ. (۶۴) وَلَا نُخْرِجُ الْعَبْدَ مِنَ الْاِيْمَانِ**

اِلَّا بِجُحُوْدِ مَا اَدْخَلَهٗ فِيْهِ. (٦٥) وَالْاِيْمَانُ هُوَ الْاِقْرَارُ بِاللِّسَانِ وَالتَّصْدِيْقُ بِالْجَنَانِ.

**ترجمہ:** اور بے خوفی اور ناامیدی یہ دونوں راستے غیر ملت اسلام کے ہیں اور اہل قبلہ کے لئے حق راستہ ان دونوں (امید و بیم) کے درمیان ہے۔ (۶۴) اور ہم مؤمن بندہ کو ایمان سے خارج قرار نہیں دیں گے مگر ان چیزوں کے انکار کر دینے سے جن کی بنا پر ایمان میں داخل ہوا تھا۔ (۶۵) اور ایمان زبان سے اقرار دل سے تصدیق (اور عمل بالارکان) کا نام ہے۔

**تشریح:** (۶۳) یعنی صرف اللہ کی رحمت کا امیدوار ہو۔ اس کے عذاب سے خائف نہ ہو یا صرف اسکے عذاب سے خائف ہو اور اس کی رحمت کا امیدوار نہ ہو یہ دونوں صورتیں اسلام سے خارج اور غیر مسلموں کا خیال باطل ہے۔ اہل اسلام کا نظریہ اور عقیدہ اس بارے میں یہ ہے کہ اس کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب کا خوف دونوں انسان میں برابر موجود ہوں۔ اسی امید و بیم کے درمیان ایمان ہے۔ ارشاد باری ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ۔ (بنی اسرائیل) وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں۔ ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کہ کون بندہ بہت نزدیک ہے اور امید رکھتے ہیں اس کی مہربانی کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (الم سجدہ) جدا رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے پکارتے ہیں وہ اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے۔

(۶۴) اس میں معتزلہ اور خوارج کی تردید ہے۔ تفصیل (۶۰) کے تحت آچکی ہے۔ بقیہ (۶۰) کا۔ تو وہ بے ذلیل ہے۔ اور غلط ہے۔ کیونکہ قلب کے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا تو اس میں یقین کی کیفیت پیدا ہوگی یا انکار کی ارشاد باری ہے۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ۔ (تغابن) وہی ہے جس نے تم

کو پیدا کیا پھر تم میں کوئی منکر ہے کوئی ایمان دار۔ مؤمن میں یقین کی صفت ہوتی ہے۔ اور کافر میں انکار کی۔ ارشاد باری ہے۔ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ۔ (سجدہ) اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ (عنکبوت) اور ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر کافر۔ رہے شک کرنے والے یا منافق تو وہ کافرین میں شامل ہیں اسلئے کہ ریب۔ شبہ۔ شک۔ نفاق۔ یہ سب کفر کے شعبہ ہیں۔ اور یقین کی ضد ہیں۔ اس لئے کفر و ایمان کے درمیان اور کوئی درجہ نہیں ہے۔

(۶۵) امام ابو حنیفہؒ اور ابو منصور ماتریدی کہتے ہیں کہ ایمان بسیط ہے یعنی صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔ اور اقرار باللسان احکام کے لئے شرط ہے۔ محققین کی ایک جماعت ایمان کو مرکب مانتی ہے پھر ان میں ایک فریق کہتا ہے کہ ایمان تصدیق قلبی اور اقرار باللسان کا نام ہے۔ یہی امام طحاوی کا خیال ہے۔ دوسرا فریق کہتا ہے۔ کہ ایمان تصدیق قلبی اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا نام ہے۔

معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ ایمان کا قوام اعمال سے ہے۔ اسی لئے خوارج کے نزدیک تارک اعمال خارج ایمان اور داخل کفر ہے۔ معتزلہ کے یہاں صرف خارج ایمان لیکن اگر بغیر توبہ کے مر گیا تو داخل کفر ہے متکلمین کی ایک جماعت اور اہل حق علماء کے نزدیک اعمال سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے یعنی اس سے ایمانی نور بڑھتا ہے۔

(٦٦) وَاِنَّ جَمِيْعَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِى الْقُرْاٰنِ وَجَمِيْعَ مَا صَحَّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الشَّرْعِ وَالْبَيَانِ كُلُّهُ حَقٌّ (٦٧) وَالْاِيْمَانُ وَاحِدٌ وَاَهْلُهُ فِى اَصْلِهِ سَوَاءٌ وَالتَّفَاضُلُ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِيْقَةِ بِالتَّقْوٰى وَمُخَالَفَةِ الْهَوٰى وَمُلَازَمَةِ الْاَوْلٰى (٦٨) وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّهُمْ اَوْلِيَاءُ الرَّحْمٰنِ وَاَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَطْوَعُهُمْ وَاَتْبَعُهُمْ لِلْقُرْاٰنِ.

ترجمہ: (۶۶) اور بلا شبہ قرآن کریم میں نازل کردہ تمام احکام اور رسول اللہ

ﷺ سے شریعت اور شرح کے طور پر منقول تمام احادیث برحق ہیں۔

(۶۷) اور ایمان ایک وحدت ہے۔ اور اہل ایمان اس کی بنیاد میں برابر ہیں اور در حقیقت ایک دوسرے پر فضیلت خشیت الٰہی، تقویٰ۔ خواہشات نفسانی کی مخالفت اور افضل حکم پر پابندی سے عمل کی بنیاد پر نصیب ہوتی ہے۔ (۶۸) اور تمام مؤمنین اللہ کے ولی ہیں۔ اور اللہ کی نظر میں ان میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو ان میں اللہ تعالیٰ اور رسول علیہ السلام کا زیادہ فرمانبردار اور قرآن کا زیادہ تابع ہو۔

**تشریح:** (۶۶) قرآن حق اور وحی قطعی ہے۔ جو انسان کے لئے ذریعہ ہدایت ہے۔ باطل کی آمیزش اس میں کسی بھی جانب سے نہیں ہو سکتی۔ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (انبیاء) اور یہ ایک نصیحت ہے برکت کی جو ہم نے نازل کی سو کیا تم اس کو نہیں مانتے۔

حضور اکرم ﷺ کے ارشادات دو طرح کے ہیں (۱) جن میں احکام جدیدہ کو مشروع فرمایا گیا جو قرآن میں مذکور نہیں ہیں۔ (۲) جن میں احکام قرآن کی وضاحت اور تفسیر فرمائی ہے۔ مصنفؒ نے مِنَ الشَّرْعِ وَالْبَيَانِ فرما کر انہی دونوں قسموں کی جانب اشارہ کیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ مَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر) جس چیز کا رسول تمہیں حکم دیں اس کو اختیار کرو۔ اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ۔ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (نحل) اور نازل کیا ہم نے تجھ پر قرآن تاکہ تو بیان کرے لوگوں کے سامنے جو ان کی طرف نازل کیا گیا اور تاکہ وہ غور وفکر کریں۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک قرآن وحدیث دونوں حجت شرعیہ ہیں ان سے احکام شرعی ثابت ہوتے ہیں۔ بخلاف فرق ضالہ مثلاً جہمیہ، معطلہ، معتزلہ وروافض وغیرہم کے کہ یہ حدیث کے حجت ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

(۶۷) جس طرح انسان حیوان ناطق ہونے میں برابر ہیں اور دیگر عوارض کی وجہ سے ان میں امتیاز ہوتا ہے ایسے ہی تمام مؤمنین نفس ایمان میں برابر ہیں یعنی جن

چیزوں کے تسلیم کرنے اور اعتقاد رکھنے سے انسان مؤمن بنتا ہے وہ چیزیں سب کے لئے برابر درجہ رکھتی ہیں پر ایمان وراکے لئے ان کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ کسی ایک چیز کے چھوڑ دینے یا نہ ماننے سے وہ مؤمن نہیں ہوگا۔

البتہ مؤمنوں میں فرق مراتب تقویٰ۔ اخلاق حسنہ۔ اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ ایمان کمی زیادتی کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ اعمال کمی زیادتی کو قبول کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے فرق مراتب ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَالْفَضْلُ الْكَبِيْرُ (فاطر) پھر ہم نے وارث کئے کتاب کے وہ لوگ جنکو ہم نے چن لیا اپنے بندوں میں سے پھر کوئی ان میں برا کرتا ہے اپنے لئے۔ اور کوئی ان میں بیچ کی چال پر ہے۔ اور کوئی ان میں آگے بڑھ گیا ہے لیکر خوبیاں اللہ کے حکم سے یہی ہے بڑی بزرگی، قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (زمر) کہہ دیجئے کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں صرف اہل عقل نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (مجادلہ) اللہ بلند کرے گا ان کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں تم میں سے اور علم انکے درجے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ (حجرات) بلاشبہ تم میں اللہ کی نظر میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہو۔

(۶۸) مؤمن سب اللہ کے ولی اور دوست ہیں لیکن یہ دوستی انسانوں جیسی نہیں ہے جو احتیاج پر موقوف ہوتی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ احتیاج سے بے نیاز ہے۔ پھر جس طرح مؤمن نفس ایمان میں برابر ہیں نفس ولایت میں بھی برابر ہیں۔ اور ولایت میں فرق مراتب تقویٰ۔ اخلاص۔ اعمال صالحہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ جو متقی ہیں اور قرآن وسنت کے زیادہ متبع ہیں ان کو ولایت کاملہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اور عوام مؤمنین کو ولایت ناقصہ حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ

آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ (بقرہ) اللہ ولی ہے مؤمنوں کا نکالتا ہے انکو ظلمتوں سے نور کی جانب۔ اور جو کافر ہیں ان کے ولی شیطان ہیں نکالتے ہیں ان کو نور سے ظلمتوں کی جانب۔ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا (مائدہ) تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے۔ اور اس کا رسول اور جو ایمان لائے۔ ان آیات سے ثابت ہو گیا کہ جیسے مؤمن اللہ کے ولی ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول بھی مؤمنوں کے ولی ہیں اور خود مؤمنین بھی آپس میں ایکدوسرے کے ولی ہیں۔ جیسے مؤمن اللہ سے محبت کرتا ہے اللہ بھی مؤمن سے محبت کرتا ہے ارشاد باری ہے يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ۔

طاعات اور نیکیاں سب کی سب ایمانی شعبہ ہیں اور معاصی اور برائیاں سب کی سب کفریہ شعبہ ہیں مگر فرق یہ ہے کہ شعبہ کفر کی جڑ انکار ہے اور شعبہ ایمان کی بنیاد تصدیق پر ہے اس لئے ایسا ہو سکتا ہے کہ انسان کافر نہ ہو اور کفریہ عمل کرلے۔ اور انسان کافر ہو اور ایمانی عمل کرلے لیکن کافر ہونے کا اطلاق انکار کے وقت ہوگا اور مؤمن ہونے کا اطلاق تصدیق وانقیاد کے بعد ہوگا۔

(۶۹) وَالْإِيمَانُ هُوَ الْإِيمَانُ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ وَحُلْوِهِ وَمُرِّهِ مِنَ اللهِ تَعَالَى (۷۰) وَنَحْنُ مُؤْمِنُونَ بِذَلِكَ كُلِّهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَنُصَدِّقُ كُلَّهُمْ عَلَى مَا جَاءُوا بِهِ.

**ترجمہ:** اور ایمان (کے سات ارکان ہیں) تہہ دل سے ایمان لانا (۱) اللہ پر (۲) اس کے فرشتوں پر (۳) اس کی کتابوں پر۔ (۴) اس کے رسولوں پر۔ (۵) یوم آخرت پر۔ (۶) مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر۔ (۷) اچھی بری، شیریں اور کڑوی (موافق ومخالف) تقدیر کے من جانب اللہ ہونے

پر۔ اور ہم ان تمام مذکورہ حقائق پر ایمان رکھتے ہیں اس کے رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور جو وہ پیغام لائے تھے اس کی (تہہ دل سے) تصدیق کرتے ہیں۔

**تشریح:** (۶۹) ایمان کے بارے میں تفصیل (۵۶) کے تحت گذر چکی ہے۔ بعث بعد الموت پر قرآن کی بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ ہم نے اسی (مٹی) سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں دوبارہ لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ پیدا کریں گے۔

بندہ کی قسمت میں جس قدر اچھائیاں یا برائیاں مقدر ہیں سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ اس بات پر عقیدہ و ایمان ضروری ہے۔ ارشاد باری ہے قُلْ لَنْ يُصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا (توبہ) کہہ دیجئے۔ ہرگز نہیں پہنچ سکتا ہم کو مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا۔ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (نساء) اور اگر ان کو پہنچے کوئی بھلائی تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اگر پہنچے ان کو کوئی برائی تو کہتے ہیں یہ تیری طرف سے ہے۔ کہہ دے کہ (بھلائیاں اور برائیاں) سب اللہ کی طرف سے ہے۔

(۷۰) اصولی طور پر تمام انبیاء کا دین ایک ہے۔ اس لئے تمام انبیاء اور ان کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کسی ایک کا انکار تمام نبیوں کا انکار ہے جو کفر ہے۔ ارشاد باری ہے قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا (الٰی اَنْ قَالَ) وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (بقرہ) کہو۔ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا۔ (الٰی اَنْ قَالَ) اور جو نبیوں کو دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔

---

(۷۱) وَاَهْلُ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّارِ لَا يَخْلُدُوْنَ اِذَا مَاتُوْا وَهُمْ مُوَحِّدُوْنَ وَاِنْ لَّمْ يَكُوْنُوْا تَائِبِيْنَ

بَعْدَ اَنْ لَقُوْا اللهَ عَزَّ وَجَلَّ عَارِفِيْنَ وَهُمْ فِي مَشِيْئَتِهِ وَحُكْمِهِ اِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ وَعَفَا بِفَضْلِهِ كَمَا ذَكَرَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي كِتَابِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ فِي النَّارِ بِقَدْرِ جِنَايَتِهِمْ بِعَدْلِهِ. ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ مِنْهَا بِرَحْمَتِهِ وَشَفَاعَةِ الشَّافِعِيْنَ مِنْ اَهْلِ طَاعَتِهِ ثُمَّ يَبْعَثُهُمْ اِلٰى جَنَّتِهِ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللهَ جَلَّ جَلَالُهُ مَوْلٰى لِاَهْلِ مَعْرِفَتِهِ وَلَمْ يَجْعَلْهُمْ فِي الدَّارَيْنِ كَاَهْلِ نَكِرَتِهِ الَّذِيْنَ خَابُوْا مِنْ هِدَايَتِهِ وَلَمْ يَنَالُوْا مِنْ وَلَايَتِهِ اَللّٰهُمَّ يَا وَلِيَّ الْاِسْلَامِ وَاَهْلِهِ مَسِّكْنَا بِالْاِسْلَامِ حَتّٰى نَلْقَاكَ بِهِ.

**ترجمہ:** حضرت محمد ﷺ کی امت میں کبیرہ گناہ کرنے والے جہنم میں جائیں گے لیکن ہمیشہ اس میں نہیں رہیں گے بشرطیکہ وہ موت کے وقت توحید کے قائل ہوں اگرچہ انہوں نے توبہ نہیں کی بعد اس کے کہ بحالت ایمان جان جاں آفریں کے سپرد کی اور یہ (اہل کبائر) اللہ کی مشیت اور اس کے حکم کے ماتحت ہونگے اگر وہ چاہے تو اپنے فضل سے ان کی بخشش کر دے اور ان کو معاف کر دے جیسا کہ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب قرآن میں فرمایا وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ (نساء) کفر و شرک کے علاوہ جسکی چاہے گا مغفرت کر دیگا۔ اور اگر وہ چاہے تو اپنے عدل و انصاف کے مطابق بقدر جنایت ان کو جہنم میں سزا دے پھر انہیں اپنی رحمت اور اہل طاعت کی سفارش سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دے یہ اس وجہ سے ہوگا کہ اللہ جل جلالہ اہل ایمان کو دوست رکھتا ہے۔ اور انہیں ان منکرین کی طرح دنیا و آخرت میں ہمیشہ کے لئے رسوا نہیں کرے گا جو اس کی ھدایت سے محروم رہے۔ اور اس کی ولایت کو نہیں پہنچ سکے اے اللہ اسلام اور اہل اسلام کے ولی (رفیق) ہمیں اسلام پر برقرار رکھ یہاں تک کہ ہم تجھ سے بحالت اسلام ملاقات کریں۔ (ایمان پر خاتمہ عطا فرما)۔

**تشریح:** (۱۷) کبیرہ گناہ وہ ہے جس کے کرنے پر یا تو حد جاری ہو یا اس پر جہنم کی وعید وارد ہوئی ہو یا وہ لعنت وغضب کا مستحق ہو۔ مثلاً ناحق قتل۔ زنا۔ جادو کرنا۔ پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت۔ یتیم کا مال ناحق کھانا۔ میدان جہاد سے پیٹھ دے کر بھاگنا۔ سود کھانا۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔ جھوٹی قسم کھانا۔ جھوٹی گواہی دینا۔ چوری کرنا۔ یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا۔

مشرک وکافر کی بخشش نہیں ہوگی بلکہ وہ دائمی طور پر جہنمی ہیں البتہ مؤمن خواہ گناہ کبیرہ کرے یا صغیرہ کرے۔ اس کی وجہ سے دائمی طور پر جہنم میں نہیں جائے گا بلکہ اگر اللہ چاہے تو اپنے فضل سے معاف کردے اور چاہے تو اپنے عدل کے مطابق گناہ کی بقدر عذاب میں گرفتار کردے اور پھر پاک وصاف کر کے جنت میں داخل کردے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جنت سے باہر ایک نہر ہوگی ایسے لوگوں کو اس میں غوطہ لگوا کر جنت میں داخل کردیا جائیگا۔ ارشاد باری ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ سو جس نے کی ذرہ برابر بھلائی وہ اسے دیکھ لیگا اور جس نے کی ذرہ برابر برائی وہ اسے دیکھ لیگا۔

امة محمد: اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دیگر امتوں کے اہل کبائر (ان کی شریعتوں کے منسوخ ہونے سے پہلے) اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اور وہ کبیرہ گناہوں کی وجہ سے دائمی جہنمی ہونگے لیکن نبی کریم ﷺ کا فرمان يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْاِيْمَانِ۔ جہنم سے نکال لئے جائیں گے وہ لوگ جن کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ مطلق ہے جس میں کسی امت کی تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ مطلق ایمان کا ذکر ہے۔

وان لم یکونوا: اس لئے کہ اگر توبہ کرلی تو توبہ سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ ارشاد باری ہے اِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ (فرقان) مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا۔ اور کیا کچھ نیک کام سو انکو بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں۔ التَّائِبُ مِنَ

اَلذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ (حدیث) گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔

عارفین: مؤمنین کے معنیٰ میں ہے۔ اس لئے کہ معرفت خداوندی بغیر ایمان۔ نجات کے لئے کافی نہیں خواہ وہ معرفت کامل درجہ کی ہو۔ ابلیس رب کا اور اس کی ربوبیت کا عارف ہے۔ مگر مؤمن نہیں اس لئے ناجی نہیں۔ ارشاد باری ہے وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ (بقرہ) اور تھا وہ کافروں میں کا۔ اہل کتاب اور بہت سے کفار مثلاً فرعون جیسوں کو معرفت حاصل تھی مگر کافر ہیں۔

مولیٰ لهم: ۔ اللہ تعالیٰ صرف مؤمنوں کا رفیق ہے۔ کافروں کا نہیں۔ ارشاد باری ہے۔ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا. وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (محمد) اللہ مؤمنوں کا رفیق ہے کافروں کا کوئی رفیق نہیں۔ غزوہ احد میں ابو سفیان نے پکارا تھا۔ لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ۔ آپ نے فرمایا۔ کہہ دو۔ وَاللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ۔

(۷۲) وَنَرَى الصَّلٰوةَ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ وَعَلٰى مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ (۷۳) وَلَا نُنَزِّلُ اَحَدًا مِنْهُمْ جَنَّةً وَلَا نَارًا وَلَا نَشْهَدُ عَلَيْهِمْ بِكُفْرٍ وَلَا شِرْكٍ وَلَا بِنِفَاقٍ مَا لَمْ يَظْهَرْ مِنْهُمْ شَيْءٌ مِنْ ذٰلِكَ وَنَذَرُ سَرَائِرَهُمْ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى

ترجمہ: (۷۲) اور ہم اہل قبلہ میں سے ہر ایک نیک و بد کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتے ہیں اور اسی طرح اہل قبلہ میں سے ہر نیک و بد مرنے والے پر نماز جنازہ جائز سمجھتے ہیں۔ (۷۳) اور ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو نہ جنتی قرار دیتے اور نہ دوزخی (کسی کے جنتی یا دوزخی ہونے کا قطعی فیصلہ نہیں کرتے) اور نہ ہم کسی اہل قبلہ پر کفر و شرک اور نفاق کا فتویٰ لگاتے جب تک ان سے کوئی (کفر و شرک اور نفاق جیسی) چیز ظاہر نہ ہو اور ہم ان کے رازہائے دروں کو اللہ کے حوالہ کرتے ہیں۔

**تشریح:** (۷۲) اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسلمان خواہ نیک ہو یا فاسق ہر ایک کے پیچھے نماز جائز ہے، رہا کراہت کا مسئلہ تو اس سے یہاں بحث نہیں اس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ حدیث رسول ہے صَلُّوْا خَلْفَ بِرٍّ وَفَاجِرٍ۔ نماز پڑھو ہر نیک و بد کے پیچھے یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ فساق وفجار اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اور پھر اس کا اعادہ نہیں کرتے تھے۔ جیسے حضرت ابن عمر اور انس بن مالک حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے جو فاسق ظالم تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ ارشاد رسولؐ ہے یصلون لکم فان اصابوا فلکم ولھم وان اخطاؤا فلکم وعلیھم (بخاری)

اسی طرح ہر مسلمان پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ خودکشی کر کے مرا ہو یا اپنی طبعی موت والدین کے قاتل پر بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی بشرطیکہ وہ اپنی موت مرا ہو۔ البتہ اگر امام نے اس کو قصاص میں قتل کر دیا ہے۔ تو اس کی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ شریعت اسلامیہ نے صرف کچھ لوگوں پر نماز جنازہ کو ممنوع قرار دیا ہے مثلاً (۱) باغی۔ (۲) رہزن۔ جبکہ عین جنگ میں قتل کر دیئے جائیں۔ اگر بعد میں مریں یا بعد میں قتل کئے گئے تو ان کی نماز پڑھی جائے گی۔ کافر و منافق پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ ارشاد باری ہے وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ (توبہ) ان میں سے کسی پر نماز نہ پڑھئے جو مر جائے کبھی بھی۔ اور نہ ان کی قبر پر کھڑا ہوئیے انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تکفیر کی ہے۔ اور فسق کی (کفر کی) حالت میں مرے ہیں۔ کافروں پر نماز سے منع فرمانا اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ مؤمنوں پر نماز پڑھی جائے گی خواہ مؤمن متقی ہو یا فاجر۔

(۷۳) ہم کسی مسلمان کو قطعی طور پر جہنمی یا جنتی نہیں کہیں گے۔ مگر جن کے جنتی ہونے کی شہادت اور بشارت نبی اکرم ﷺ نے دی ہے جیسے عشرہ مبشرہ کما سیاتی

جب تک کسی انسان سے کفریہ ومشرکیہ افعال ظاہر نہ ہوں تو صرف گمان کی وجہ سے کسی کے کافر ومشرک یا منافق ہونے کا فیصلہ نہیں کریں گے۔ ارشاد باری ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولاً (بنی اسرائیل) اور پیچھے نہ پڑ اس کے جس کی خبر نہیں تجھ کو بے شک کان، آنکھ، دل، ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی۔

اِجْتَنِبُوا كَثِيراً مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (حجرات) بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے سے بے شک بعض تہمت گناہ ہے۔

(۷۴) وَلَا نَرَىٰ السَّيْفَ عَلَىٰ اَحَدٍ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا مَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ السَّيْفُ. (۷۵) وَلَا نَرَىٰ الْخُرُوْجَ عَلَىٰ اَئِمَّتِنَا وَوُلَاةِ اُمُوْرِنَا وَاِنْ جَارُوْا. وَلَا نَدْعُوْا عَلَيْهِمْ وَلَا نَنْزِعُ يَداً مِنْ طَاعَتِهِمْ وَنَرَىٰ طَاعَتَهُمْ مِنْ طَاعَةِ عَزَّ وَجَلَّ فَرِيْضَةً مَا لَمْ يَاْمُرُوْا بِمَعْصِيَةٍ. وَنَدْعُوْ لَهُمْ بِالصَّلَاحِ وَالْمُعَافَاتِ.

**ترجمہ:** (۷۴) اور ہم امت محمدیہ ﷺ میں کسی فرد پر تلوار چلانا (اس سے جنگ کرنا) جائز نہیں سمجھتے مگر جس پر تلوار کا چلانا واجب ہو جائے۔

(۷۵) اور ہم اپنے مسلم حکمراں کی بغاوت کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں اور نہ ہم انہیں بددعا دیتے ہیں اور نہ ان کی اطاعت سے اپنا ہاتھ کھینچتے ہیں اور جب تک وہ کسی معصیت (ناجائز کام) کا حکم نہ دیں ہم اطاعت خداوندی کی وجہ سے ان کی اطاعت کو فرض سمجھتے ہیں۔ اور ہم ان کے لئے اصلاح اور درستی کی دعاء کرتے ہیں۔

**تشریح:** (۷۴) مسلمان کا قتل تین صورتوں میں جائز ہے۔ (۱) اگر شادی شدہ مسلمان زنا کرلے تو رجم کیا جاتا ہے۔ (۲) ناحق کسی کو قتل کردے تو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے۔ (۳) دین اسلام سے پھر جائے اور مرتد ہو جائے اور جماعت مسلمین سے مخالف ہو جائے تو اس کا قتل واجب ہو تا ہے۔ (کما فی الصحیح)

چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کو جب بلوائیوں نے شہید کیا تھا تو آپ نے یہی فرمایا تھا کہ مجھ کو کس وجہ سے قتل کر رہے ہو۔ میں نے زنا نہیں کیا۔ کسی کو ناحق قتل نہیں کیا۔ میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا۔ ارشاد باری ہے وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِناً اِلَّا خَطَاءً (نساء) مؤمن کے لئے حق نہیں کہ مؤمن کو قتل کرے مگر خطاً "وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِناً مُتَعَمِّداً فَجَزَاءُهٗ جَهَنَّمَ خَالِداً فِيْهَا۔ (نساء) جو کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے گا اس کی سزا جہنم ہے۔ اس میں ہمیشہ (لمبازمانہ) رہے گا۔

(۷۵) مسلم حکمرانوں اور منتظمین سے بغاوت جائز نہیں ہے۔ بلکہ ان کی اطاعت ضروری ہے۔ اگر وہ اپنے ماتحوں پر ظلم و زیادتی کر رہے ہیں۔ اور ناانصافی سے کام لے رہے ہیں تو بھی ان کی اطاعت ضروری ہے اس لئے کہ بغاوت کی صورت میں اگر اس ظلم و زیادتی اور ناانصافی کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی تو (۱) حاکم لوگ رد عمل میں ان پر اور ظلم و زیادتی کریں گے جس سے فتنہ اور فساد پھیلے گا۔ (۲) نیز ملت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہو گا اسلامی شان و شوکت اور اس کی اجتماعی قوت کو نقصان پہنچے گا۔ (۳) ظالم حکام کا ہم پر تسلط ہمارے فساد اعمال کی وجہ سے ہے اور یہ ایک سزا ہے۔ جو جنس عمل سے دی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے وَكَذٰلِكَ نُوَلِّىْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضاً لِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ (انعام) اور اسی طرح ہم ساتھ ملادیں گے گناہگاروں کو ایکدوسرے سے ان کے اعمال کے سبب۔ بہر حال مختلف وجوہات کی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے مسلم حکمرانوں کی اطاعت پر بڑا زور دیا ہے۔ اور ان سے خروج و بغاوت کی اجازت نہیں دی۔ ارشاد باری ہے اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ (نساء) اللہ اور رسول اور اپنے میں سے اولوالامر کی اطاعت کرو۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ و تابعین نے فساق حاکموں کی اطاعت کی۔ اگر شرعی طور پر اس کی اجازت دیدی جاتی تو قوم مسلم اسلامی تشخص کو باقی رکھنے میں کسی طرح کامیاب نہ ہوتی اس کا اندازہ اسلامی تاریخ سے پہلے حالات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ قومیں برسہابرس اس چھینا جھپٹی کا شکار رہیں۔ اور بعد والوں کے لئے کوئی راہنما اصول نہیں چھوڑ کر گئیں۔

اسی لئے ایسے حکام کے لئے بد دعا کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے کیونکہ پوشیدہ طور پر یہ بھی بغاوت ہے۔ اس طرح کی ظلم وزیادتی اور ناانصافی۔ اور آپسی خلفشار کو ختم کرنے کے لئے بجائے بغاوت وغیرہ کے اندر خانہ مؤثر تدبیریں مثبت انداز میں اختیار کیجائیں حتیٰ کی ان کی درستگی اور اصلاح کے لئے دعا بھی کی جائے۔

البتہ اگر یہ حکام معصیت کا حکم دیں اور اس پر مجبور کریں تو اس بارے میں ان کی اطاعت نہیں کیجائے گی ارشاد رسول ﷺ ہے۔ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ اَلَّا اَنْ يُّوْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ فَاِنْ اَمَرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ۔ (صحیحین) مسلمان پر سمع وطاعت واجب ہے۔ پسند وناپسند چیزوں میں مگر یہ کہ معصیت کا حکم دیدیا جائے۔ اگر معصیت کا حکم دیدیا تو نہ سمع ہے نہ طاعت کیونکہ لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِى مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ اور آیت وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ میں۔ اولوالامر کو رسولؐ پر معطوف کر کے بھی اس جانب اشارہ کردیا گیا۔ کہ جیسے رسولؐ کسی کو اللہ کی اطاعت کے علاوہ کا حکم نہیں دیتے ایسے ہی اولوالامر کی اطاعت بھی انہیں چیزوں میں کیجائے گی جس سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہوتی ہو۔ ارشاد رسولؐ ہے وَمَنْ اَطَاعَ الْاَمِيْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِىْ وَمَنْ عَصَى الْاَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِىْ۔ (بشرط ان الامير لا يامر بمعصية الله ورسوله) جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی (بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا حکم نہ کرے)

(۷۶) وَنَتَّبِعُ السُّنَّةَ وَالْجَمَاعَةَ وَنَجْتَنِبُ الشُّذُوْذَ وَالْخِلَافَ وَالْفُرْقَةَ (۷۷) وَنُحِبُّ اَهْلَ الْعَدْلِ وَالْاَمَانَةِ وَنُبْغِضُ اَهْلَ الْجَوْرِ وَالْخِيَانَةِ (۷۸) وَنَقُوْلُ اَللّٰهُ اَعْلَمُ فِيْمَا اشْتَبَهَ عَلَيْنَا عِلْمُهُ (۷۹) وَنَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فِى السَّفَرِ وَالْحَضَرِ كَمَا جَاءَ فِى الْاَثَرِ

**ترجمہ:** (۷۶) اور ہم سنت وجماعت کا اتباع کرتے ہیں اور جماعت سے علیحدگی۔ مخالفت اور افتراق سے اجتناب کرتے ہیں۔ (۷۷) اور اہل عدل وامانت سے محبت کرتے ہیں۔ اور اہل ظلم وخیانت سے نفرت کرتے ہیں۔ (۷۸) اور علم دین میں اگر ہم پر کوئی چیز مشتبہ ہو جائے تو اس مقام پر ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ (۷۹) اور ہم سفر وحضر میں مسح علی الخفین (موزوں پر مسح کرنے کو) جائز سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

**توضیح:** سنۃ۔ اسوۂ رسول اکرمؐ۔ جماعت رسول اللہؐ کے اطاعت شعار۔ صحابہ وتابعین وغیرہ الی یوم الدین۔ الشذوذ۔ مصدر باب ن، ض علیحدہ ہونا۔

**تشریح:** (۷۶) یعنی ہم عقائد واحکامات شرعیہ میں اہل سنت والجماعت کی اتباع کرتے ہیں۔ رائے زنی کرنے والوں خواہش پرستوں اور شیطان کی اتباع کرنے والوں سے اجتناب کلی اختیار کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ مَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَه و الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّه مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِه جَهَنَّمَ وَسَاءَ تْ مَصِيْرًا۔ (نساء) ہدایت واضح ہو جانے کے بعد جو رسول کی مخالفت کرے۔ غیر مؤمنوں کے طریقہ پر چلے تو ہم اس کو پھیر دیں جدھر وہ پھر گیا۔ اور ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔ اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللهِ (قصص) اس سے زیادہ گمراہ کون ہے۔ جو اللہ کی ہدایت کے علاوہ اپنی خواہشات کی اتباع کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث رسولؐ کے مطابق ہم ان بہتر (۷۲) فرقوں سے اجتناب کرتے ہیں جو افراط وتفریط کا شکار ہیں اور حق راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اور اہل سنت والجماعت کی اتباع کرتے ہیں جو قرآن وسنت صحابہ اور سلف صالحین کے طریقہ پر ہیں۔ ارشاد باری ہے اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللهِ (انعام) جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے

دین میں اور ہو گئے بہت سے فرقے تجھ کو ان سے کوئی سروکار نہیں ان کا کام اللہ ہی کے حوالہ ہے۔

(۷۷) کمال بندگی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اہل تقویٰ اور انصاف پسندوں سے اور امانتداروں سے محبت اور اہل فسق وفجور اور اہل خیانت سے نفرت کیجائے۔ ارشاد رسول ﷺ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کا تقاضا بھی یہی ہے اور سنت الٰہی بھی یہی ہے، ارشاد باری ہے ان اللہ یحب المقسطین (مائدہ)

(۷۸) جن چیزوں کا بندوں کو علم نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے یعنی متشابہات کا علم اس کے علم کو اللہ کے حوالہ کرنا ہی اصل عقیدہ ہے۔ ارشاد رسولؐ ہے دع ما یریبک الی مالا یریبک۔

(۷۹) شیعہ حضرات مسح علی الخفین کو ناجائز کہتے ہیں۔ اور پیروں پر ٹخنوں تک مسح کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ ان کے یہاں مستقل عقیدے میں داخل ہے۔ جو قرآن وسنت۔ عمل صحابہ تعامل سلف اور اجماع کے خلاف ہے۔ مسح علی الخفین کی روایات حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مسح علی الخفین کی روایات جب تک میرے سامنے روز روشن کی طرح واضح نہیں ہو گئیں جب تک اس کے جواز کا قائل نہیں ہوا۔ امام کرخیؒ فرماتے ہیں جو مسح علی الخفین کو جائز نہ سمجھے مجھے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ اہل سنت والجماعت مسح علی الخفین کو جائز کہتے ہیں۔ اسی لئے بعض سلف سے منقول ہے کہ اہل سنت والجماعت کی علامت ہے۔ شیخینؓ کو فضیلت دینا۔ ختنینؓ سے محبت کرنا۔ مسح علی الخفین کو جائز سمجھنا۔ شیعہ کے اس نظریئے کی تردید کے لئے۔ مصنفؒ نے اس جزئی مسئلہ کو بنیادی عقائد میں بیان فرمایا۔ البتہ بعض روایات سے جو مسح رجلین کی بظاہر تائید ہوتی ہے۔ اس سے اس جانب اشارہ مقصود ہے کہ پیروں کے دھلنے میں دیگر اعضاء کی طرح پانی کے استعمال میں احتیاط برتنی چاہئے کیونکہ عام طور پر اس میں اسراف سے کام لیا جاتا ہے۔

(۸۰) وَالْخُرُوْجُ وَالْجِهَادُ فَرْضَانِ مَا ضِيَانِ مَعَ اُوْلِى الْاَمْرِ مِنْ اَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ بَرِّهِمْ وَفَاجِرِهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا يُبْطِلُهُمَا شَيْءٌ وَلَا يَنْقُضُهُمَا. (۸۱) وَنُؤْمِنُ بِالْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ وَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ جَعَلَهُمْ عَلَيْنَا حَافِظِيْنَ.

**ترجمہ:** (۸۰) مسلمانوں میں سے نیک و بد حکمرانوں کے ساتھ حج اور جہاد فرض ہیں۔ جو قیامت تک جاری رہیں گے۔ ان دونوں کو نہ کوئی شئی باطل کر سکتی (جھٹلا سکتی) اور نہ انہیں ختم کر سکتی ہے۔ (۸۱) اور ہم کراما کاتبین پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اللہ نے ان کو ہمارا محافظ بنایا ہے۔

**تشریح:** (۸۰) حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ اور جہاد بھی اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے۔ اور یہ دونوں ایسے فرض ہیں جو قیامت تک جاری رہیں گے۔ منسوخ نہیں ہونگے۔ دونوں کے فرائض انجام دینے کے لئے امیر و حاکم اور اہل انتظام کا ہونا ضروری ہے۔ البتہ امیر و حاکم کا عادل ہونا شرط نہیں اگر امیر کسی وجہ سے فاسق و فاجر ہو تو ان کی ماتحتی میں بھی ان فرائض کو ادا کیا جائے گا کیونکہ امام عادل کی طرح یہ انتظامات فاسق بھی کر سکتا ہے۔

یہ دونوں عبادتیں چونکہ اجتماعی ہیں اور ان میں کچھ خصوصیات ہیں جو اور عبادتوں میں نہیں پائی جاتیں مثلاً چلنا۔ پھرنا۔ نقل و حرکت۔ حتی کہ دور جانا وغیرہ۔ اس لئے دونوں کو مستقلاً ذکر کیا۔ ارشاد باری ہے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً (آل عمران) اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو طاقت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی۔

يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ (توبہ) اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے۔ اور ان پر سختی کیجئے۔ جہاد کا مقصد فتنہ اور شر کو دفعہ کرنا اور کلمہ خداوندی کو بلند کرنا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَقَاتِلُوْهُمْ

حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ (بقرہ) ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔ اور اللہ کا دین باقی رہے۔

الجہاد ماض الی یوم القیامۃ: (حدیث)

"جہاد قیامت تک جاری رہے گا"

مصنفؒ نے اُولِی الْاَمْرِ۔ فرما کر شیعہ حضرات کی تردید کی ہے۔ جو امام معصوم کی شرط لگاتے ہیں۔ اور اس سے اس امام معصوم کی جانب اشارہ مقصود ہے جس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ غائب ہیں۔ اور اپنے وقت مقررہ پر ظاہر ہونگے۔ اس وقت وہ جہاد کریں گے۔ جبکہ یہ قول باطل اور بلا دلیل ہے۔ ارشاد رسولؐ ہے خیار ائمتکم الذین تحبونهم ویحبونکم وتصلون علیهم ویصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونهم ویبغضونکم وتلعنونهم ویلعنونکم قال قلنا یا رسول الله افلا ننابذهم عند ذلک قال لا ماقاموا فیکم الصلوٰة الا من ولی علیه وال فراٰه شیئاً من معصیة الله فلیکره ما یاتی من معصیة الله ولا ینزعن یداه من طاعته۔

(۸۱) انسان کے دن رات کے اعمال لکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے دن کے لئے دو فرشتے رات کے لئے اس طرح چار فرشتے متعین فرما رکھے ہیں۔ جو انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ دو فرشتے انسان کی حفاظت کے لئے رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ان کو کراما کاتبین کہا گیا ہے۔ دن والے فرشتے فجر کی نماز میں آتے ہیں۔ تو رات والے فرشتے بعد نماز فجر چلے جاتے ہیں۔ رات والے فرشتے عصر کی نماز میں آتے ہیں تو دن والے بعد نماز عصر چلے جاتے ہیں یہ فرشتے امانت داری کے ساتھ تمام اعمال لکھتے ہیں کسی میں خیانت نہیں کرتے۔ اور کسی عمل کو نہیں چھوڑتے نہ ہمارے اعمال ان سے پوشیدہ ہیں۔ ارشاد باری ہے اِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ (انفطار) اور تم پر نگہبان مقرر ہیں عمل لکھنے والے۔ جانتے ہیں جو کچھ

تم کرتے ہو۔ اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ۔ (ق) جب لینے جاتے ہیں دو لینے جانے والے ایک دائیں بیٹھا ایک بائیں بیٹھا۔ نہیں بولتا کچھ بات جو ہیں ہوتا اس کے پاس راہ دیکھنے والا تیار۔ اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ بَلٰی وَرُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَکْتُبُوْنَ۔ (زخرف) کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی چھپی باتوں اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے۔ کچھ نہیں۔ اور ہمارے فرشتے انکے پاس لکھتے ہیں۔

(۸۲) وَنُؤْمِنُ بِمَلَكِ الْمَوْتِ الْمُوَکَّلِ بِقَبْضِ اَرْوَاحِ الْعٰلَمِیْنَ.
(۸۳) وَنُؤْمِنُ بِعَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعِیْمِهٖ لِمَنْ کَانَ لِذٰلِكَ اَهْلاً وَبِسُؤَالِ مُنْکَرٍ وَنَکِیْرٍ لِلْمَیِّتِ فِیْ قَبْرِهٖ عَنْ رَّبِّهٖ وَنَبِیِّهٖ وَدِیْنِهٖ عَلٰی مَا جَاءَتْ بِهِ الْاَخْبَارُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ اَصْحَابِهٖ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ وَالْقَبْرُ رَوْضٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النِّیْرَانِ. (ومثله فی الحدیث)

**ترجمہ:** (۸۲) اور ہم موت کے فرشتے (ملک الموت) پر ایمان رکھتے ہیں جو تمام عالم کی روحیں قبض کرنے پر مقرر ہے۔ (۸۳) اور ہم عذاب قبر اور اس کی راحتوں کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس شخص کیلئے جو اس کا اہل ہو اور قبر میں میت سے منکر نکیر (فرشتوں) کے سوالات کو برحق جانتے ہیں جو اس کے رب۔ نبیؐ اور دین کے متعلق کئے جائیں گے۔ اس تفصیل کے مطابق جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی احادیث سے ثابت ہے۔ اور قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ یا جہنم کے گڈھوں میں سے ایک گڈھا ہے۔

**تشریح:** (۸۲) ملک الموت جو روح قبض کرنے پر مسلط ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر ہے۔ عام لوگوں میں عزرائل کا لفظ مشہور ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں بلکہ یہ نام اسرائیلیات میں سے ہے۔ ارشاد باری ہے۔ قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ (الم سجدہ) کہہ

دیجئے۔ وفات دیتا ہے تم کو موت کا فرشتہ جو تم پر مسلط کیا گیا ہے۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاتے ہو۔ حَتّیٰ اِذَا جَاءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ثُمَّ رُدُّوْا اِلَی اللّٰهِ۔ (انعام) یہاں تک کہ جب آتی ہے تمہارے پاس موت تو وفات دیتے ہیں اس کو ہمارے فرشتے اور وہ کوتاہی نہیں کرتے پھر وہ اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ لیکن اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ روح قبض کرنے والے فرشتے متعدد ہیں تطبیق یہ ہے کہ قابض الارواح تو ملک الموت ہی ہے اور بعد قبض ملائکہ عذاب یا ملائکہ رحمت اس کو لے لیتے ہیں۔

(۸۳) قبر کے عذاب اور اس کی راحت۔ جسم میں روح کو لوٹانا اور منکر نکیر کا ذات باری اور حضورؐ اور دین کے بارے میں سوالات کرنا۔ نیک اعمال کی صورت میں قبر کا کشادہ ہونا۔ جنت کی کھڑکیاں کھلنا اور نعمتوں کا عطا ہونا۔ اور اعمال بد کی صورت میں قبر کا تنگ ہونا۔ جہنم کی کھڑکیاں کھلنا۔ اور عذاب وغیرہ کا ہونا یہ سب احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ اس پر یقین لانا ضروری ہے کہ بندہ کو اس دنیا کے بعد آخرت سے پہلے عالم برزخ سے واسطہ پڑے گا خواہ وہ قبر میں ہو یا کسی اور جگہ اس سے وہیں سوالات ہونگے۔ پھر دفتر اعمال کے اعتبار سے کسی کے حق میں قبر جنت کا باغیچہ ہوگی اور کسی کے حق میں جہنم کا گڑھا۔ (کذا فی الاحادیث)

(۸۴) وَنُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ وَجَزَاءِ الْاَعْمَالِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالْعَرْضِ وَالْحِسَابِ وَقِرَاءَةِ الْکِتَابِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ وَالصِّرَاطِ وَالْمِیْزَانِ وَالْبَعْثُ هُوَ حَشْرُ الْاَجْسَادِ وَاِحْیَاؤُهَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔

**ترجمہ:** اور ہم بعث (موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے) قیامت کے دن اعمال کی جزا۔ عرض (اعمال کی پیشی) حساب، اعمالنامہ کے پڑھنے، ثواب وعقاب۔ پل صراط۔ میزان جیسے حقائق پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں اور بعث نام ہے قیامت کے دن جسموں کو زندہ کر کے ایک جگہ جمع کرنے کا۔

**تشریح:** صرف مرنے اور قبر میں دفن کر دینے پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا۔

بلکہ مندرجہ حالات سے بھی گذرنا پڑے گا۔ دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور تمام جسموں کو دوبارہ زندہ کر کے میدان محشر میں جمع کیا جائے گا۔ ارشاد باری ہے وَزَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّئُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ (تغابن) اور کافروں نے گمان کیا کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔ تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی تم کو بے شک اٹھانا ہے پھر تم کو جتلانا ہے۔ جو کچھ تم نے کیا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ (مؤمنون) پھر جب پھونک ماریں صور میں تو نہ قرابتیں ہیں ان میں اس دن اور نہ ایک دوسرے کو پوچھے۔

انسان کو اس کے اچھے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ ارشاد باری ہے۔ وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (بقرہ) اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر نفس کو اس کے کئے کا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

بندہ پر اس کے اعمال پیش کئے جائیں گے۔ اور اسی کے مطابق اس کا حساب ہوگا۔ وہ اعمالنامہ اس کے ہاتھوں میں اڑ کر کھلا ہوا چلا جائے گا۔ جس کو وہ پڑھے گا۔ اگر اعمالنامہ اس کے داہنے ہاتھ میں ہوگا تو اس کا حساب آسان ہوگا۔ اور جنت میں چلا جائے گا۔ اور اگر اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں ہوگا تو وہ سخت حساب میں گرفتار ہوگا اور جہنم میں جائیگا۔ ارشاد باری ہے۔ وَکُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ کِتٰبًا یَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا۔ اِقْرَاْ کِتٰبَکَ کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا (بنی اسرائیل) اور جو آدمی ہے لگادی ہے ہم نے اس کی بری قسمت اس کی گردن سے اور نکال دکھائیں گے اس کو قیامت میں ایک کتاب کہ دیکھے گا اس کو کھلی ہوئی۔ پڑھ لے کتاب اپنی تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا۔

اعمال کا محاسبہ کرنے کے بعد۔ ثواب و عقاب کی صورت میں بدلہ دیا جائیگا۔ ثواب کیلئے قرآن میں لفظ اجر۔ اور عقاب کیلئے وِزر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ

أُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران) قیامت میں تم کو پورا اجر دیا جائے گا۔ مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ (الذکر) فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْراً خَالِدِيْنَ فِيْهِ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِمْلاً (طٰہٰ) جو کوئی منہ پھیرے اس سے سو وہ اٹھائے گا قیامت میں ایک بوجھ سدا رہیں گے اس میں اور برا ہے ان پر قیامت میں وہ بوجھ اٹھانا۔

اس بدلہ کی کئی صورتیں ہونگی۔ (۱) اعمال کو دکھایا جائے گا۔ (نجم، زلزال) (۲) نیک اعمال کرنے والوں کی تکریم وتعظیم بد اعمال کرنے والوں کی توہین وتذلیل (نجم) (۳) پورا پورا بدلہ۔ (نجم) (۴) نیک اعمال کا بدلہ بڑھا کر بد اعمال کا بدلہ برابر برابر۔ (انعام) فوز وخسران۔ (مومن) جنت وجہنم میں داخلہ۔ (ھود)

جہنم کے اوپر ایک پل ہے جس کو پل صراط کہا جاتا ہے۔ وہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ اس پر لوہے کے آنکڑے ہونگے۔ جب لوگ حساب کے بعد پل صراط سے پہلے موقف میں پہنچیں گے تو وہاں اندھیرا ہوگا۔ مؤمن حسب درجہ اپنے ایمان کی روشنی میں آنکڑوں سے بچتا ہوا اس پل سے گذر جائے گا۔ اور غیر مؤمن وہیں جہنم میں گر جائے گا۔ آنکڑوں میں پھنسنا اور مخدوش ہونا اور صراط پر تیز اور آہستہ چلنا یہ دنیا میں صراط مستقیم پر چلنے کے اعتبار سے ہوگا۔ ارشاد باری ہے۔ وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْماً مَّقْضِيًّا. ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا۔ (مریم) اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر ہو چکا یہ وعدہ تیرے رب پر لازم مقرر۔ پھر بچائیں گے ہم ان کو جو ڈرتے ہیں اور چھوڑ دیں گے گناہگاروں کو اس میں اوندھے گرے ہوئے۔

بندوں کے اعمال کا وزن کرنے کیلئے حسی طور پر میزان قائم کیجائے گی۔ جس میں دو پلڑے ہونگے ایک پلڑے میں نیکیاں دوسرے میں برائیاں رکھی جائیں گی۔ کما فی الحدیث۔ ارشاد باری ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئاً وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِيْنَ۔ (انبیاء) اور قائم کریں گے ہم میزان عدل قیامت میں سو کسی

نفس پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر رائی کے دانہ کے برابر ہو گا تو ہم لے آئیں گے اسکو۔ اور کافی ہیں ہم حساب لینے والے۔ فمن ثقلت مزازینہ فاولئک ھم المفلحون ومن خفت موازینہ فاولئک الذین خسروا نفسھم فی جھنم خالدون (مومنون) سو جس کا پلڑا بھاری ہو گیا وہ کامیاب ہیں۔ اور جس کا پلڑا ہلکارہ گیا پس وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا نقصان کیا جہنم میں رہیں گے ہمیشہ۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ میزان متعدد ہونگی جبکہ حدیث کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ایک ہو گی لیکن یہ احتمال ہے کہ قرآن میں موازین سے مراد موزونات ہوں۔ اس طرح روایت آیت کے مطابق ہو جائے گی۔

آخر میں مصنفؒ نے بعث کی تعریف کر کے اس بات کو واضح فرمادیا کہ بعث سے مراد جسموں کا دوبارہ زندہ کرنا ہے۔ معاد روحانی مراد نہیں۔ کفار و مشرکین بھی حشر اجسادی کے اعتبار سے اسکو مستبعد سمجھتے تھے، قرآن کریم نے متعدد جگہ اس کو ثابت کیا اور کفار و مشرکین کا جواب دیا۔ ارشاد باری ہے۔ وضرب لنا مثلاً ونسی خلقہٗ قَالَ مَنْ یُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيْنَ اَنْشَأَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ۔ (یٰس) اور بتلاتا ہے ہم پر ایک مثل اور بھول گیا اپنی پیدائش کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کھوکھری ہو گئیں۔ تو کہہ ان کو زندہ کرے گا جس نے بنایا ان کو پہلی بار۔ اور وہ سب دن بنانا جانتا ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى:

"اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں دوبارہ لوٹادیں گے اور اسی سے پھر پیدا کرینگے"

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ۔ کہا اسی میں تم زندہ رہتے ہو اسی میں تم مرتے ہو اور اسی سے تمہیں پیدا کیا جائے گا۔

ان کے علاوہ بہت سی آیات ہیں جو حشر اجساد پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعث و قیامت کا عقیدہ تمام انبیاء و رسل میں معروف تھا مگر حضور ﷺ سے پہلے کسی نبی نے اس کی پوری تفصیلات بیان نہیں فرمائی۔ اور وجہ اسکی

یہ ہے کہ آپ خاتم الانبیاء بلکہ خاتم الامم ہیں۔ آپ کی امت آخری امت ہے۔ جس کے بعد بعث و قیامت ہے۔ اور آپ کا لایا ہوا دین کامل و مکمل اور تمام ادیان کو حاوی ہے۔ اس لئے آپ نے اس کی مکمل تفصیل بیان فرمائی ہے۔

(۸۵) وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوْقَتَانِ لَا يَفْنَيَانِ اَبَداً وَلَا يَبِيْدَانِ. (۸۶) وَاِنَّ اللهَ تَعَالٰى خَلَقَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ قَبْلَ الْخَلْقِ وَخَلَقَ لَهُمَا اَهْلاً فَمَنْ شَاءَ مِنْهُمْ لِلْجَنَّةِ فَضْلاً مِنْهُ وَمَنْ شَاءَ مِنْهُمْ لِلنَّارِ عَدْلاً مِنْه. (۸۷) وَكُلٌّ يَعْمَلُ لِمَا فَرَغَ مِنْهُ وَصَارَ اِلٰى مَا خُلِقَ لَهٗ. (۸۸) وَالْخَيْرُ وَالشَّرُّ مُقَدَّرَانِ عَلَى الْعِبَادِ.

**ترجمہ:** (۸۵) اور جنت جہنم پیدا ہو چکی ہیں۔ جو نہ کبھی فنا ہو نگی اور نہ ہلاک ہو نگی۔ (۸۶) اور اللہ تعالیٰ نے جنت و جہنم کو انسان کے پیدا کرنے سے پہلے ہی بنادیا۔ اور ان کا اہل بھی پیدا کیا۔ ان میں سے جسے چاہے گا اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کرے گا اور جسے چاہے گا اپنے عدل و انصاف سے جہنم میں داخل کرے گا۔ (۸۷) اور ہر انسان وہی کام کرتا ہے جس کے لئے اس کو فارغ کردیا گیا اور اس سے وہی کچھ ہوتا ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ (۸۸) اور خیر و شر دونوں بندگان خدا کا مقدر ہے۔

**تشریح:** (۸۵) اس میں معتزلہ اور قدریہ کی تردید ہے۔ جو کہتے ہیں کہ جنت و جہنم جزاء اعمال کے لئے ہے اور عمل سے پہلے جزاء کی ضرورت نہیں لہٰذا ان کے عمل سے پہلے پیدا کرنا عبث ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو قیامت میں پیدا کریں گے۔ ورنہ یہ جب تک بیکار پڑی رہیں گی۔ ان کا یہ دعویٰ صریح نصوص کے خلاف ہے جو ایک طرح کی تحریف ہے۔ کتاب و سنت سے ثابت ہے کہ یہ دونوں پیدا ہو چکی ہیں۔ اور کبھی فنا نہیں ہو نگی ارشاد باری ہے۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْراً (فرقان) اور پیدا کیا ہر چیز کو اور مقرر کیا اس کا اندازہ۔ جنت کے بارے میں فرمایا۔ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ تیار کردی گئی متقیوں کے لئے۔ جہنم کے بارے میں

فرمایا۔ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ۔ (آل عمران) تیار کردی گئی کافروں کے لئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا جنت میں رہنا۔ قرآن میں مذکور ہے۔ یَاٰ دَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ۔ (بقرہ) نبی اکرم ﷺ نے جنت و جہنم کو جدار قبلہ میں متمثل دیکھا۔ آپ نے معراج میں جنت و جہنم کی سیر کی۔ قرآن میں مذکور ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جنت الماوٰی ہے۔ فرعون کی بیوی آسیہ نے دعاء کی تھی رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتاً فِی الْجَنَّۃِ۔

حدیث طویل میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت و جہنم کو پیدا فرمادیا تو حضرت جبریلؑ کو معائنہ کیلئے بھیجا۔ جو ان کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔ قبر میں مؤمن اور نیک انسان کے لئے جنت کی کھڑکیاں کھولی جاتی ہیں۔ جس سے اس کے پاس جنت کی ہوا اور خوشبو وغیرہ آتی ہے۔ اسی طرح کافر و فاجر کے لئے جہنم کی کھڑکیاں کھولی جاتی ہیں۔ جس سے اس کے پاس جہنم کی گرم ہوا آتی ہے۔ یہ سب حقائق اس بات کی دلیل ہیں کہ جنت و جہنم پیدا ہو چکی ہے۔ اور یہ کبھی فنا نہیں ہونگی بلکہ ہمیشہ باقی رہیں گی۔ ارشاد باری ہے۔ واما الذین سعدوا ففی الجنۃ خالدین فیہا واما الذین شقوا ففی النار خالدین فیہا۔ اور بہر حال جو نیک بخت ہیں سو وہ جنت میں ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو بد بخت ہیں وہ جہنم میں ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۸۶) کائنات کی تمام چیزیں انسان کی ضرورت کے لئے ہیں اور ضرورت کی چیز کو طبعی طور پر مقصود سے پہلے پیدا کیا جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جنت و جہنم حتیٰ کہ تمام کائنات آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو پیدا کیا۔ پھر اس کے بعد حضرت انسان کو پیدا فرمایا۔ ارشاد باری ہے وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَھَنَّمَ کَثِیْراً مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ (اعراف) اور تحقیق ہم نے پیدا کئے جہنم کیلئے بہت جن وانس۔

حضرت آدم و حوا کا جنت میں سکونت اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جنت پہلے ہی پیدا کردی گئی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ یَا عَائِشَۃُ اِنَّ اللہ خَلَقَ لِلْجَنَّۃِ اَھْلاً خَلَقَھُمْ لَھَا وَھُمْ فِی اَصْلَابِ آبَائِھِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ

أَهْلاً خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلاَبِ آبَائِهِمْ۔ اے عائشہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت کا مستحق پیدا کر دیا۔ ان کو جنت کے لئے اس وقت پیدا کر دیا تھا جبکہ وہ اپنے آباء کی صلب میں تھے۔ اور جہنم کے لئے مستحق پیدا کر دیا۔ اور ان کو جہنم کے لئے اس وقت پیدا کر دیا تھا جبکہ وہ آپ نے آباء کی صلب میں تھے۔

اور اس حقیقت میں راز یہ ہے کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مسخر بطبعہ (۲) متحرک بارادتہ۔ مسخر بطبعہ کا مطلب ہے کہ کائنات کی بہت سی مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے اپنا تابع فرمان بنایا ہے۔ اور اس کی طبیعت میں اس اطاعت کو پیدا فرمادیا۔ اب وہ مخلوق صرف اسی ڈیوٹی کو انجام دے گی جس کے لئے اس کی تخلیق ہوئی اسکے برخلاف اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کر سکتی نہ اس میں خلاف ورزی کی طاقت۔

متحرک بارادتہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مخلوق کو ارادہ واختیار عطا فرمایا ہے۔ جو نفع ونقصان کے اعتبار سے اسکے شعور وعلم کے تابع ہے۔ جیسے انسان۔

قسم ثانی کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) جو صرف خیر کا ارادہ کر سکتی ہے جیسے فرشتے۔ (۲) جو صرف شر کا ارادہ کر سکتی ہے جیسے شیاطین۔ (۳) جس سے دونوں طرح کے ارادے ظاہر ہو سکتے ہیں۔ جیسے انسان۔ اس آخری قسم کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) ایمان۔ معرفت اور عقل۔ خواہشات پر غالب ہوں۔ یہ قسم ملائکہ صفت ہے۔ (۲) ایمان۔ معرفت اور عقل پر خواہشات غالب ہوں۔ یہ قسم شیاطین صفت ہے۔ (۳) اس کی شہوت بہیمیہ عقل پر غالب ہو، یہ چوپایہ صفت ہے۔

پس مناسب تھا کہ انسان کی ہر صنف کیلئے ایک مناسب دار ہو۔ پس ملائکہ صفت انسانوں کیلئے حسب درجات جنت بنائی جس میں بعض کا دخول پہلے مرحلہ میں بعض کا دوسرے مرحلہ میں ہوگا۔ اور شیاطین صفت انسانوں کے لئے حسب درکات جہنم بنائی بعض درجہ اسفل میں اور بعض ان سے اوپر اور ہلکے عذاب میں گرفتار رہیں گے۔

(۸۷) جب انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس سے متعلق تمام چیزوں کو مثلاً اس کی عمر۔ روزی۔ اس کا عمل۔ وہ اللہ کے علم میں شقی ہے یا سعید۔ تقدیر میں لکھ

دیا گیا۔ جس میں اب کوئی تبدیلی نہیں ہوگی تو اس سے معلوم ہو گیا کہ انسان وہی عمل کرے گا جو اس کے لئے ماقبل میں لکھے جا چکے ہیں۔ اور اس کا رجحان انہیں اعمال کی طرف ہو جائے گا اللہ تعالیٰ ان اعمال کو اس کے لئے کر دیں گے۔ ارشاد باری ہے۔ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا۔ پھر سمجھ دی اس کو ڈھٹائی کی اور بچ کر چلنے کی۔ فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى، وَأَمَّا مَنْ اسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى۔ (لیل) پس جس نے دیا اور ڈرا۔ اور تصدیق کی بھلی بات کی تو اس کو ہم سہج سہج پہنچادیں گے آسانی میں۔ اور جس نے نہ دیا اور بے پروا رہا اور جھوٹ جانا بھلی بات کو سو اس کو سہج سہج پہنچادیں گے سختی میں۔ اعملوا فکل میسر لما خلق له (حدیث) عمل کرو۔ ہر ایک کو وہی میسر آئے گا جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔

(۸۸) خیر و شر بندہ کا مقدر ہے۔ اس پر یہ اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ انسان کی تقدیر میں اگر برائی لکھی ہوئی ہے تو وہ اس کو ضرور کرے گا۔ تو پھر مواخذہ کیوں ہوگا جب وہ اس برائی کے کرنے پر مجبور ہے۔ اس کا جواب ہم نے خلق و کسب کے درمیان فرق کے تحت بیان کر دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تقدیر میں صرف یہی نہیں لکھا ہے کہ بندہ گناہ کرے گا بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ گناہ اپنے اختیار و ارادہ سے کرے گا یہ نہیں کہ بندہ اللہ کی تقدیر سابق کی وجہ سے عمل پر مجبور ہے بلکہ اس کے عمل کا سبب اس کا اپنا ارادہ و اختیار ہے جس میں وہ مجبور نہیں اسی لئے اس کے عمل پر ثواب و عقاب مرتب ہوتا ہے اور اس کے عمل کو جنت و جہنم کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ أُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (زخرف) یہ جنت ہے جس کا تم کو تمہارے عمل کی وجہ سے وارث بنایا گیا ہے فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (اعراف) اپنے عمل کی وجہ سے عذاب چکھو۔

خلاصہ یہ ہے کہ موجب اور مسبب اللہ تعالیٰ ہے۔ اور کاسب و فاعل بندہ ہے۔ اور اس میں کوئی منافات نہیں جیسے اللہ تعالیٰ خالق ولد ہے۔ مگر اس تخلیق کا سبب وطی ہے۔

لیکن اللہ کی تخلیق اور انسان کے عمل وطی میں کوئی منافات نہیں ہے۔

(۸۹) وَالْاِسْتِطَاعَةُ ضَرْبَانِ اَحَدُهُمَا الْاِسْتِطَاعَةُ الَّتِیْ یُوْجَدُ بِهَا الْفِعْلُ نَحْوَ التَّوْفِیْقِ الَّذِیْ لَا یَجُوْزُ اَنْ یُّوْصَفَ الْمَخْلُوْقُ بِهٖ فَهِیَ مَعَ الْفِعْلِ وَاَمَّا الْاِسْتِطَاعَةُ الَّتِیْ مِنْ جِهَةِ الصِّحَّةِ وَالْوُسْعِ وَالتَّمَکُّنِ وَسَلَامَةِ الْآلَاتِ فَهِیَ قَبْلَ الْفِعْلِ وَهُوَ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا۔

**ترجمہ:** استطاعت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہ استطاعت جس کے ذریعہ فعل وجود میں آتا ہے جیسے وہ فعل جس سے مخلوق کو متصف نہیں کیا جاسکتا یہ استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے (دونوں لازم وملزوم ہیں) (۲) وہ استطاعت جو صحت۔ وسعت۔ قدرت اور موافق اسباب کی صورت میں مہیا ہوتی ہے۔ اس کا وجود فعل سے پہلے ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ مکلف نہیں بناتا کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق۔

**تشریح:** یہ بات مشاہدہ کے مطابق ہے کہ انسان میں بہت سے کام کرنے کی قدرت ہے اور بہت سے کاموں کی نہیں۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ انسان نہ قادر مطلق ہے نہ عاجز مطلق۔

مکلف کیلئے استطاعت وقدرت ضروری ہے۔ کیونکہ جس چیز کی بندہ میں طاقت نہ ہو اس کا اسے مکلف بنانا شرعاً ممنوع ہے۔ ارشاد باری ہے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ) اللہ مکلف نہیں بناتا کسی نفس کو مگر اسکی وسعت کے مطابق۔ اسی استطاعت وقدرت سے بندہ احکام شرع کا مخاطب ہوتا ہے۔

استطاعت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) استطاعت بمعنی قدرت (۲) استطاعت بمعنی صحت۔ اس قسم کو کبھی وسع کبھی تمکن اور کبھی سلامتی اسباب وآلات سے تعبیر کرتے ہیں۔ (۱) پہلی قسم فعل سے پہلے وجود میں نہیں آتی بلکہ جب بندہ اچھے برے فعل کا

ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اسباب اختیار کرنے کے وقت اس فعل کو پیدا فرماتے ہیں اور وہ چیز معرض ظہور میں آجاتی ہے۔ یعنی یہ قدرت فعل کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ اس کی مثال ارشاد باری ہے۔ مَا کَانُوْ ایَسْتَطِیْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا کَانُوْا یُبْصِرُوْنَ (ھود) نہ طاقت رکھتے تھے سننے کی اور نہ دیکھنے کی۔ اس میں حقیقۃً قدرت سماع اور قدرت بصارت کی نفی ہے۔ نہ کہ اسباب و آلات کی کیونکہ وہ تو موجود ہیں۔ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا۔ بے شک تو میرے ساتھ صبر کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس میں بھی حقیقۃً قدرتِ صبر کی نفی ہے۔ نہ کہ اسباب صبر کی وہ تو موجود تھے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ یہاں عتاب اور ملامت کی گئی ہے۔ جبکہ آلات و اسباب کے نہ ہونے کی صورت میں ملامت نہیں ہوتی ملامت تو اس آدمی کو ہوتی ہے جو فعل نہ کرے۔ اور قدرت فعل دوسرے کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے ضائع کردے۔ جس کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ یا اس فعل سے غافل رہنے کی وجہ سے جس کا حکم دیا گیا تھا۔

(۲) دوسری قسم۔ آلات و اسباب اور اعضاء وغیرہ کا صحیح سالم ہونا۔ تاکہ فعل کے کرنے میں رکاوٹ نہ ہو۔ یہ استطاعت فعل سے پہلے ہوتی ہے۔ مثلاً ارشاد باری ہے۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ (آل عمران) اللہ کے لئے لوگوں پر مقرر ہو چکا حج بیت اللہ کا جو طاقت رکھتا ہو اس تک راہ چلنے کی۔ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (نساء) اور جو کوئی نہ رکھے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لائے مسلمان بیبیاں تو نکاح کرلے ان سے جو تمہارے ہاتھ مال ہیں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (تغابن) ''سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے''۔

استطاعت کی یہ دونوں قسمیں مؤمن و کافر سب کے لئے عام ہیں۔ اور ہر فعل کے لئے عام ہیں۔ خواہ فعل حسن ہو یا قبیح۔ مگر قدرت کی ایک قسم اور ہے۔ جس کو توفیق ایزدی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی بندہ کسی فعل حسن کے اسباب اختیار کرتا ہے اور اس کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اگر اللہ کی جانب سے اس کے کرنے کی توفیق مل

گئی تو وہ کام ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔ استطاعت کی یہ قسم مؤمن کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ یہ توفیق فضل الٰہی ہے۔ اور کافر اس کا محل نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ. اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً (حجرات) مگر اللہ نے محبت ڈالدی تمہارے دل میں ایمان کی اور اچھا دکھایا اس کو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈالدی تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر۔ اللہ کے فضل سے اور احسان سے۔ فمن یرد اللہ ان یھدیه یشرح صدره للاسلام ومن یرد ان یضله یجعل صدره ضیقا حرجا كانما یصعد فی السماء كذلك یجعل اللہ الرجس علی الذین لا یؤمنون۔ (انعام) پس جس کو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہدایت دے تو کھول دیتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لئے اور جس کو چاہتے ہیں کہ گمراہ کرے تو اس کا سینہ خوب تنگ کر دیتے ہیں گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے گندگی ان لوگوں پر جو مؤمن نہیں۔

مصنفؒ کے قول احدھما سے یہی قسم مراد ہے۔ معتزلہ اس قسم کو جمیع مخلوق کے لئے عام قرار دیتے ہیں۔ مصنفؒ نے الذی لا یجوز الخ کے ذریعہ اس کی تردید کی ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کا فضل ہے۔ اور کفار محل فضل نہیں۔

مصنفؒ نے استطاعت کی مختصراً دو قسمیں بیان کی ہیں۔ تیسری قسم کی مستقل عنوان کے ساتھ صراحت نہیں کی۔ البتہ ان دونوں قسموں میں اس کے اوصاف بیان کر دیئے تاکہ معتزلہ کا رد ہو جائے۔ پس تیسری قسم ان دونوں قسموں سے مستفاد ہے۔

نیز مصنفؒ نے التی یوجد بھا الفعل کہہ کر معتزلہ اور قدریہ کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ استطاعت فعل سے قبل نہیں ہوتی۔ معتدل قول اہل سنت کا ہے۔ جو ابھی اوپر نقل کیا گیا کہ استطاعت ایک قسم فعل سے پہلے ہوتی ہے اور ایک قسم فعل کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔

(۹۰) وَافْعَالُ الْعِبَادِ هِیَ خَلْقُ اللهِ وَكَسْبٌ مِنَ الْعِبَادِ.
(۹۱) وَلَمْ يُكَلِّفْهُمُ اللهُ اِلَّا مَا يُطِيقُوْنَ وَلَا يُطِيقُوْنَ اِلَّا مَا كَلَّفَهُمْ وَهُوَ تَفْسِيْرُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ نَقُوْلُ لَا حِيْلَةَ لِاَحَدٍ وَلَا حَوْلَ لِاَحَدٍ وَلَا حَرْكَةَ لِاَحَدٍ عَنْ مَعْصِيَةِ اللهِ اِلَّا بِمَعُوْنَةِ اللهِ وَلَا قُوَّةَ لِاَحَدٍ عَلٰى اِقَامَةِ طَاعَةِ اللهِ وَالثُّبَاتِ عَلَيْهَا اِلَّا بِتَوْفِيْقِ اللهِ.

**ترجمہ:** (۹۰) اور بندگان خدا کے افعال اللہ کی مخلوق اور بندوں کا کسب ہیں۔
(۹۱) اور اللہ تعالیٰ نے مکلف نہیں بنایا بندوں کو مگر انہیں کاموں کا جس کی وہ طاقت رکھتے ہیں۔ اور وہ طاقت نہیں رکھتے مگر انہیں کاموں کی جس کے وہ مکلف بنائے گئے ہیں اور لا حول ولا قوۃ الخ کا مفہوم بھی یہی ہے۔ (جس کی وضاحت میں) ہم کہتے ہیں کہ اللہ کی مدد کے بغیر اس کی نافرمانی سے بچنے میں۔ نہ کسی کا کوئی بس چلتا نہ کسی کی طاقت کا زور نہ کوئی چیز اس کے حکم کے بغیر حرکت کر سکتی اور اللہ کی توفیق کے بغیر اس کی طاعت پر قائم اور ثابت قدم رہنے کی کسی میں طاقت نہیں۔

**تشریح:** (۹۰) اس عبارت سے مصنفؒ نے جبریہ اور معتزلہ کا رد کیا ہے۔ جبریہ کہتے ہیں کہ مخلوق کے افعال کی تدبیر سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ بندہ نہ افعال کا خالق ہے نہ کاسب۔ معتزلہ اس کا برعکس کہتے ہیں۔ کہ بندہ ہی اپنے افعال کا خالق و کاسب ہے اللہ نہیں یہ دونوں نظریئے باطل ہیں اور بلا دلیل ہیں۔ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ سب افعال ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خالق افعال۔ ارشاد باری ہے وَاللهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (صافات) بندہ کے اسی کسب واختیار پر ثواب وعقاب مرتب ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت (بقرہ) اسکے لئے ثواب ہے اس کا جو اس نے کیا اور اس پر گناہ ہے اس کا جو اس نے کیا۔

(۹۱) تکلیف و وسعت مساوی ہیں۔ جس طرح تکلیف بقدر وسعت ہے اسی طرح وسعت بقدر تکلیف ہے۔ ارشاد باری ہے لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا

وُسْعَهَا (بقرہ) رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (بقرہ) اے ہمارے رب اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے۔

(۹۲) وَكُلُّ شَيْءٍ يَجْرِي بِمَشِيَّةِ اللهِ وَعِلْمِهٖ وَقَضَائِهٖ فَغَلَبَتْ مَشِيَّتُهُ الْمَشِيَّاتِ كُلَّهَا وَغَلَبَ قَضَاءُهُ الْحِيَلَ كُلَّهَا يَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَاءُ (۹۳) وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ اَحَدًا لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ

**ترجمہ:** (۹۲) کائنات کی ہر چیز اللہ کی منشاء اور قضاء وقدرت سے جاری ہے۔ پس اس کی مشیت تمام مشیتوں (سب کے ارادوں) پر غالب اور اس کا فیصلہ تمام تدبیروں پر غالب ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (۹۳) اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا وہ جو کچھ کرتا ہے۔ اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی اور لوگوں سے ان کے اعمال کے متعلق باز پرس ہوگی۔

**تشریح:** (۹۲) نظام خداوندی دو طرح کا ہے۔ (۱) تشریعی جس میں خلق خدا کی ہدایت اور اصلاح کیلئے کتاب وشریعت دے کر انبیاء کرام کو بھیجا گیا۔ (۲) تکوینی جس میں کائنات کا نظام اللہ کی قدرت ومشیت اور اسکی قضاء کے مطابق چلتا ہے۔ یعنی موت وزندگی، عمر، رزق، راحت وآسانی، مصیبت وپریشانی، نجات وہلاکت۔ ان خدمات کے لئے عام طور سے ملائکۃ اللہ مقرر ہیں مگر زمرہ انبیاء میں بھی حق تعالیٰ نے بعض کو اس قسم کی خدمت کیلئے مخصوص کرلیا ہے جیسے خضر علیہ السلام۔

یہاں قضا سے قضاء کونی ہی مراد ہے۔ نہ کہ شرعی۔ اسلئے کہ قضا کی بلکہ ارادہ، امر، اذن، کتاب، حکم، تحریم اور کلمات وغیرہ کی دو قسمیں ہیں (۱) کونی، (۲) شرعی۔

قضاء کونی: جیسے فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ۔ (فصلت) پھر کردیے وہ سات آسمان دو دن میں۔

قضاء دینی شرعی: جیسے وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ۔ (اسراء) ارادہ کونی جیسے فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ الخ (انعام) ارادہ

شرعی۔ جیسے یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (بقرہ) اور کونی جیسے اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (یٰس) صرف اس کا امر جب ارادہ کرتا کسی چیز کا یہ ہے کہ کہتا ہے کن۔ ہو جا، سو وہ ہو جاتی ہے۔

امر شرعی: جیسے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ۔ (نحل) بلا شبہ اللہ حکم دیتا ہے عدل واحسان کا الخ۔

اذن کونی: جیسے وَمَا ہُمْ بِضَآرِّیْنَ بِہٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (بقرہ) اور وہ اس سے نقصان نہیں کر سکتے کسی کا بغیر حکم خداوندی۔

اذن شرعی: جیسے۔ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِیْنَۃٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْہَا قَآئِمَۃً عَلٰٓی اُصُوْلِہَا فَبِاِذْنِ اللّٰہِ (حشر) جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا درخت یا رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر سو اللہ کے حکم سے۔

کتاب کونی: جیسے وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِہٖٓ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ (فاطر) اور نہ عمر پاتا ہے کوئی بڑی عمر والا۔ اور نہ گھٹتی ہے کسی کی عمر مگر لکھا ہے کتاب میں۔

کتاب شرعی: جیسے وَکَتَبْنَا عَلَیْہِمْ فِیْہَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (مائدہ) اور فرض کر دیا ان پر ہم نے اس میں کہ نفس کے بدلے نفس ہے۔

حکم کونی: جیسے، فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰی یَاْذَنَ لِیْٓ اَبِیْٓ اَوْ یَحْکُمَ اللّٰہُ لِیْ (یوسف) سو میں تو ہرگز نہ سرکوں گا اس ملک سے جب تک کہ حکم دیں مجھ کو میرا باپ یا قضیہ چکا دے اللہ میری طرف۔

حکم شرعی: جیسے، اُحِلَّتْ لَکُمْ بَہِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ۔ (مائدہ) حلال کر دیئے گئے تمہارے لئے چوپائے۔ مویشی سوائے انکے جو تم کو آگے سنائی جاویں گی۔ مگر حلال نہ جانو شکار کو احرام کی حالت میں۔ اللہ حکم کرتا ہے جو چاہے۔

تحریم کونی: جیسے، فَاِنَّہَا مُحَرَّمَۃٌ عَلَیْہِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً یَتِیْہُوْنَ فِی

الْاَرْضِ۔(مائدہ) سو یہ حرام کی گئی ہے ان پر چالیس برس۔ سر مارتے پھریں گے ملک بھر میں۔

تحریم شرعی: جیسے۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ۔(مائدہ) حرام کردیا گیا تم پر مردار اور خون، اور خزیر کا گوشت۔

کلمات کونی: جیسے۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِى اِسْرَآئِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا۔(اعراف) اور پورا ہو گیا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر۔ بسبب ان کے صبر کرنے کے۔

کلمات شرعی: جیسے وَاِذِابْتَلٰى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ۔ (بقرہ) اور ۔ ب آزمایا ابراہیم کو اسکے رب نے کلمات سے سو پورا کر دیا اس نے انکو۔

ان تمام اقسام و حقائق کی روشنی میں یہ معلوم ہو گیا کہ بندہ کا فعل اللہ کے ارادہ۔ اس کی قضا و قدرت اور حکم و مشیت تکوینی و تشریعی کی اجازت سے ہوتا ہے۔ لیکن اللہ کا ارادہ وغیرہ بندہ کے ارادہ کے ضمن میں ہوتا ہے۔ اس میں جبریہ کی تردید کرنا مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال میں مجبور ہے۔ تردید کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اس کے افعال میں مجبور نہیں بنایا۔ تخلیق افعال تو اللہ ہی کی صفت ہے۔ لیکن فعل کا ارادہ اور کسب و اختیار بندہ کو حاصل ہے۔ مگر بندہ کا ارادہ مستقل نہیں جو اس کو اللہ سے مستغنی کر دے۔ بلکہ بندہ کے ارادہ اور مشیت میں اللہ کے ارادہ اور مشیت سے حرکت پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

پس مصنفؒ کی عبارت میں حیلہ و حرکت کی نفی تو بندہ سے کی گئی ہے مگر کسب و ارادہ کی نفی نہیں کی گئی ہے اعمال کی تخلیق اسی کسب و ارادہ پر ہوتی ہے۔ کما مر تفصیلہ

(۹۳) اللہ تعالیٰ ظلم اور قبح یعنی تمام اچھے برے افعال کا خالق ہے۔ اور ظلم کرنے پر قادر بھی ہے مگر اس کی عادت یہ ہے کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا جیسا کہ قدریہ اور جبریہ بنی آدم جو ظلم و قبح کرتا ہے اس کا ذمہ دار اللہ کی ذات کو ٹھہراتے ہیں۔

حالانکہ اللہ کی ذات ان تمام افعال قبیحہ سے منزہ ہے۔ ارشاد باری ہے ما انا لیس بظلام للعبید۔ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی۔ میں ظلم کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے۔ پھر ظلم نام ہے ملک غیر میں تصرف کا۔ اور تمام کائنات اللہ ہی کی ملک ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں پس کون وامر میں اس کا تصرف اس کی اپنی ملک میں تصرف ہے۔ نہ کہ ملک غیر میں تو ظلم کہاں سے ہوا۔

اسی طرح اللہ کی ذات سے اس کے کسی فعل کے بارے میں باز پرس نہ ہوگی کیونکہ سوال ایسی شئی پر ہوتا ہے جو خلاف حجت ہو۔ جبکہ اللہ کی ذات خود حجت ہے۔ بلکہ حجتوں کی حجت ہے۔ کیونکہ حجت کے لئے ضروری ہے کہ وہ حق اور عدل کے ساتھ منتسب ہو۔ اور حق وعدل اللہ کی ذات ہے۔ پس اللہ کی ذات سے کون سوال کرے اور کس حجت سے کرے۔ مخلوق میں یہ بات نہیں ہے اس لئے خالق ان کے افعال کے متعلق ضرور سوال کرے گا۔

(۹٤) وَفِي دُعَاءِ الْاَحْيَاءِ وَصَدَقَتِهِمْ مَنْفَعَةٌ لِلْاَمْوَاتِ (۹٥) وَاللّٰهُ تَعَالٰى يَسْتَجِيْبُ الدَّعْوَاتِ (۹٦) وَيَقْضِي الْحَاجَاتِ (۹٧)وَيَمْلِكُ كُلَّ شَيْءٍ وَلَا يَمْلِكُهُ شَيْءٌ (۹٨)وَلَا غِنٰى عَنِ اللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَمَنِ اسْتَغْنٰى عَنِ اللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ فَقَدْ كَفَرَ وَكَانَ مِنْ اَهْلِ الْحَيْنِ (۹۹)وَاللّٰهُ يَغْضِبُ وَيَرْضٰى لَا كَاَحَدٍ مِّنَ الْوَرٰى.

**ترجمہ:** (۹۴) اور مردوں کے لئے زندوں کا دعاء کرنا اور صدقہ وخیرات کرنا نفع بخش ہے۔ (۹۵) اور اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ (۹۶) اور حاجتوں کو پوری کرتا ہے۔ (۹۷) اور وہ ہر چیز کا مالک ہے اور کوئی اس کا مالک نہیں۔ (۹۸) اور کوئی بھی ایک لحہ کے لئے اللہ کی ذات سے بے نیاز نہیں۔ اور جو ایک لحہ کے لئے بھی اللہ سے بے نیاز ہوگیا تو وہ کافر ہے۔ اور ہلاکت زدہ لوگوں میں شمار ہے۔

(۹۹)اور اللہ تعالیٰ غضبناک بھی ہوتا ہے اور راضی بھی لیکن اس کی ناراضی اور خوشی مخلوق جیسی نہیں ہے۔

**تشریح:** اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ مردوں کے لئے دعاء واستغفار اور صدقہ وخیرات نفع بخش ہے۔ کتاب وسنت میں اس کی صراحت منقول ہے۔ اس میں معتزلہ کی تردید کی گئی ہے۔ جو اس کا انکار کرتے ہیں۔ جو اجماع اور نصوص کے خلاف ہے۔ مصنفؒ نے ایصال ثواب کے دو طریقے بیان فرمائے ہیں۔ (۱) دعاء واستغفار۔ ارشاد باری ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَآؤُا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ (حشر) اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد اے رب بخش دے ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں۔

نماز جنازہ کی مشروعیت، دفن کے وقت اور زیارۃ قبر کے وقت کی احادیث میں منقولہ دعائیں ان سب کا مقصد استغفار وغیرہ ہی ہے۔

(۲) صدقہ وخیرات یعنی عبادت مالی۔ جیسا کہ حدیث عائشہ میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بعد اپنی مرحومہ ماں کی طرف سے صدقہ کیا۔

(۹۵) ارشاد باری ہے اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (مومن) مجھ سے مانگو میں تمہاری دعاء قبول کروں گا۔ دعاء عبادت کا مغز۔ حصول منفعت اور دفع مضرت کا قوی ذریعہ ہے۔ حتیٰ کہ اس نکتہ کو کافروں نے بھی سمجھا ہے چنانچہ حالت اضطرار میں کافروں کا اللہ سے دعاء کرنا قرآن مجید میں منقول ہے۔ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (عنکبوت) پس جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں۔ تو پکارتے ہیں اللہ کو خالص کر کے اس کے لئے اطاعت۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ مَنْ لَمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ (ابن ماجہ) جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس پر غصہ ہوتا ہے۔ جبکہ مخلوق کا حال یہ ہے کہ وہ سوال کرنے سے غصہ ہوتی ہے۔

وَالرَّبُّ يَغْضَبُ اِنْ تَرَكْتَ سُوَالَهٗ وَبَنِيْ آدَمَ حِيْنَ يُسْئَلُ يَغْضَبُ

(۹۶) اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْءَ (نمل) بھلا کون پہنچتا ہے بیکس کی پکار کو جب اسکو پکارتا ہے، اور دور کرتا ہے سختی۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عالم اسباب میں اسباب اختیار کرنا ضروری ہے۔ شریعت اسباب کو نہ معطل کرتی نہ مؤثر بالذات سمجھتی۔ پس کلی طور پر اسباب کی طرف التفات شرک فی التوحید اور ذلت ہے۔ اور اسباب کو بالکلیہ لغو قرار دینا عقل کی کوتاہی اور انانیت ہے۔ اور اللہ پر توکل کے ساتھ اسباب اختیار کرنا عبدیت ہے۔

(۹۷) ارشاد باری ہے لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْہِنَّ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (مائدہ) اللہ کے لئے آسمان وزمین کی ملکیت اور جو ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۹۸) اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے۔ لیکن اس کے علاوہ کوئی بے نیاز نہیں سب اللہ کے محتاج ہیں یعنی تمام مخلوق اپنے وجود وبقاء۔ موت وحیات۔ رزق وکسب۔ حرکات وسکنات وغیرہ تمام چیزوں میں اللہ کی محتاج ہے۔ کیونکہ محتاج مطلق غنی مطلق سے بے نیاز کیسے ہو سکتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (فاطر) اے لوگوں تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز قابل ستائش ہے۔

(۹۹) دیگر صفات کی طرح اللہ کے لئے صفت رضا وغضب بھی حقیقۃً ثابت ہے۔ لیکن ہم ان کی کیفیت نہیں جانتے البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس کی صفت رضا وغضب مخلوق کی رضاء وغضب کی طرح نہیں ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (الآیۃ) اس کی صریح دلیل ہے کہ کوئی شئی ذات وصفات میں اس کے مشابہ نہیں ہے۔ جس طرح ملائکہ کا غضب منکرین پر۔ ضروری نہیں کہ انسان کے غضب کے مماثل ہو اس لئے کہ ملائکہ میں وہ چار عناصر نہیں ہیں جو انسان میں پائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا خون قلب جوش مارتا ہے۔ پس اللہ کا غضب مخلوق کے غضب کے مماثل کیسے ہو سکتا ہے۔ جبکہ مخلوق کسی بھی طرح اس کے مشابہ

نہیں۔ اسکے اندر صفت رضا و غضب ان کی شایان شان ہے، اس لئے ہم انکی ایسی تاویل بھی نہیں کریں گے جو ان کو اس کی شایان شان حقیقت سے پھیر دے۔ اگرچہ یہ صفات ذات باری اور انسان دونوں کیلئے استعمال ہوتی ہیں مگر یہ اشتراک صرف لفظی ہے، معنوی نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَعَدَّ لَه عذاباً عظیماً اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور تیار کیا ہے اس کے لئے بڑا عذاب۔ رضی الله عنهم ورضوا عنه (توبہ) اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

(۱۰۰) وَنُحِبُّ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نُفْرِطُ فِي حُبِّ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَلَا نَتَبَرَّأُ مِنْ اَحَدٍ مِنْهُمْ وَنُبْغِضُ مَنْ يُّبْغِضُهُمْ وَبِغَيْرِ الْحَقِّ يَذْكُرُهُمْ وَلَا نَذْكُرُهُمْ اِلَّا بِالْخَيْرِ وَحُبُّهُمْ دِيْنٌ وَاِيْمَانٌ وَاِحْتِسَابٌ وَبُغْضُهُمْ كُفْرٌ وَنِفَاقٌ وَطُغْيَانٌ۔

**ترجمہ:** اور ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے محبت رکھتے ہیں اور ان سے کسی کی محبت میں غلو نہیں کرتے اور نہ ان میں سے کس سے برأت ظاہر کرتے اور ہم اس سے بغض رکھتے ہیں جو ان سے بغض رکھتا ہے۔ اور اچھے انداز سے انکا نام نہیں لیتا۔ اور ہم ان کا تذکرہ نہیں کرتے مگر خیر کے ساتھ۔ اور ان سے محبت دین ایمان اور احسان کی علامت ہے۔ اور ان سے بغض کفر نفاق اور سرکشی ہے۔

**توضیح:** اصحاب صاحب کی جمع ہے۔ ساتھی۔ صحابی رسولؐ۔ نفرط باب افعال غلو کرنا حد سے بڑھنا۔ نتبرأ باب تفعل بیزار ہونا برأت ظاہر کرنا۔ بغض۔ دشمنی۔ نفرت۔ کفر ایمان کے خلاف عقیدہ۔ نفاق۔ دل میں کفر چھپا کر زبان سے ایمان ظاہر کرنا۔ طغیان ظلم و نافرمانی میں حد سے بڑھنا۔

**تشریح:** نبی اکرم ﷺ کے بعد دین کے حاملین اور اس بار امانت کے اٹھانے والے صحابہ کرام ہیں۔ جس سے ان کی فضیلت، عظمت اور تقدیس ظاہر ہے۔ قرآن و حدیث انکے فضائل و مناقب سے پر ہیں۔ رضوان اور محبت الٰہی کا پروانہ انہیں دنیا ہی میں سنا دیا گیا۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

عَنْهُ۔ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَه‘۔ بلاشبہ یہ اللہ اوراس کے رسولؐ کے محبوب ہیں۔اس لئے انصاف کاتقاضہ یہ ہے کہ مخلوق کے بھی محبوب ہونے چاہئیں اور ہر فرد بشر کوان کے ہر فرد سے بلاتخصیص عقیدت مندانہ محبت ہونی چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی محبت کو اپنی محبت اور صحابہ سے بغض کو اپنے بغض کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ فرمایا اللہ اللہ فِیْ اَصْحَابِی لَاتَتَّخِذُوْهُمْ مِنْ بَعْدِیْ غَرَضاًمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِیْ وَمَنْ آذَانِیْ فَقَدْ آذَی اللہَ وَمَنْ آذَی اللہَ فَیُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذَہ‘۔ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد انہیں تنقید کا نشانہ نہ بنانا جس نے ان سے محبت کی سو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا سو مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ جس نے انہیں ستایا اس نے مجھے ستایا۔ اور جس نے مجھے ستایا اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی تو قریب ہے کہ اس کا مواخذہ ہو۔

البتہ اس محبت واعتقاد میں شیعہ حضرات کی طرح افراط و تفریط سے پاک وصاف رہنا ضروری ہے۔ جیسا کہ انہوں نے حضرت علیؓ اور اہل بیت کو بڑھاوا دیا ہے۔ اسی طرح صحابہ کو ان کی شایان شان مقام پر فائز رکھنا ضروری ہے۔ ایسا نہیں جیسا کہ خوارج نے حضرت علی و عثمان اور اہل بیت سے برائت ظاہر کی ہے یہ دونوں نظریئے غلط اور گمراہ کن ہیں۔ ارشاد باری ہے لا تغلوا فی دینکم اپنے دین میں غلو نہ کرو۔

صحابہ کا تذکرہ انکے فضائل ومناقب اور ان کی عملی دینی زندگی اور اسلامی خدمات کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اسلئے کہ صاحب شریعت ﷺ نے ان کے بارے میں اپنے بعد خیرامت ہونے کی خبر دی ہے۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔ زمانوں میں بہتر میرا زمانہ۔ پھر اس سے ملا ہوا۔ پھر اس سے ملا ہوا۔

تمام صحابہ عدول ہیں۔ معیار حق ہیں۔ کیونکہ تمام صحابہ صحبت نبی سے فیضیافتہ، زیارت نبی سے مشرف۔ آپ کی تعلیمات سے بلاواسطہ محظوظ ہونے والے۔

اور ان کے بدن، روح، اور قلوب انوار نبوت سے منور و مجلیٰ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے سے بڑا عالم، فقیہ، مجتہد، صوفی، قطب، غوث، ادنیٰ صحابی کے بھی ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک سے پوچھا گیا۔ حضرت معاویہ افضل ہیں یا عمر بن عبد العزیز تو آپ نے نہایت منصفانہ جواب دیا کہ حضور ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک پر جو غبار بیٹھا تھا۔ اس گرد و غبار کے برابر بھی حضرت عمر بن عبد العزیز کا مقام نہیں ہے۔

اس لئے صحابہ سے محبت ایمان و دین میں داخل ہے۔ کیونکہ صحابہ سے محبت حب نبی کی وجہ سے ہے۔ اور آپ سے محبت اصل ایمان ہے۔ پس آپ کے واسطے صحابہ سے محبت بھی اصل ایمان میں سے ہے۔

صحابہ سے بغض و عداوت، برائی کے ساتھ ان کا ذکر کرنا۔ ان کو سب و شتم کرنا۔ ان کی شان میں گستاخی کرنا۔ تنقید و ملامت کا نشانہ بنانا ناجائز ہے۔ بعض علماء کے نزدیک ایسا شخص واجب القتل اور بعض کے نزدیک واجب التعزیز ہے۔

حضرات شیعہ، خوارج اور مودودی سب صحابہ کی شان میں گستاخ ہیں صرف نوعیت جداگانہ ہے۔ ان میں مودودی زیادہ خطرناک ہیں جو صحابہ پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں هُمْ رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ۔ وہ بھی انسان ہیں ہم بھی انسان ہیں۔ اہل سنت والجماعت کی نظر میں اس طرح کے فرقے گمراہ ہیں۔ کیونکہ صحابہ سے بغض حدیث کی تصریح کے مطابق بغض نبی کی دلیل ہے اور نبی سے بغض کفر و طغیان ہے۔ اس لئے صحابہ سے بغض بھی کفر و طغیان اور نفاق ہوگا۔

اہل سنت والجماعت کا نظریہ اور عقیدہ صحابہ کے بارے میں یہ ہے کہ وہ ان کو انبیاء کی طرح معصوم نہیں مانتے۔ اور نہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ہم جیسے مردوں کی طرح اچھے برے اعمال کرتے تھے۔ یعنی نہ تو ان کی تعریف میں مبالغہ کر کے انہیں انبیاء کا درجہ دیتے اور نہ ان کی تنقیص کر کے عام مردوں کے درجہ میں انہیں اتارتے۔

(۱۰۱) وَ نُثْبِتُ الخِلَافَةَ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلاً لِاَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّيْقِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ تَفْضِيْلاً لَهٗ وَ تَقْدِيْمًا عَلٰى جَمِيْعِ الاُمَّةِ ثُمَّ لِعُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعَلِيِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ هُمُ الخُلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ وَ الاَئِمَّةُ المَهْدِيُّوْنَ

**ترجمہ:** (۱۰۱) اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے خلافت (کا اولین درجہ) ثابت کرتے ہیں تمام امت میں ان کے افضل اور فائق ترین ہستی ہونے کی وجہ سے پھر (دوسرا درجہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کیلئے پھر (تیسرا درجہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے پھر (چوتھا درجہ) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کیلئے ثابت کرتے ہیں اور یہ خلفاء راشدین اور ہدایت یافتہ امت کے امام ہیں۔

**تشریح:** (۱۰۱) تمام صحابہ میں افضل خلفاء راشدین ہیں، اور خلفاء راشدین میں بلکہ انبیاء کے بعد سب سے افضل حضرت ابو بکرؓ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ پھر علی ہیں، خلافت کی ترتیب بھی فضیلت کی ترتیب کے مطابق ہے۔ ان چاروں صحابہ کی خلافت کے حق ہونے پر امت کا اجماع ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت ۲/ سال ۳/ ماہ تک رہی۔ حضرت عمرؓ کی خلافت ساڑھے دس سال رہی۔ حضرت عثمانؓ کی خلات ۱۲/ سال تک رہی حضرت علیؓ کی خلافت ۴/ سال ۹/ ماہ تک رہی، اور حضرت حسنؓ کی خلافت ۶/ ماہ تک رہی۔ پھر انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ سے مصالحت کر لی تھی اس طرح خلافت راشدہ کا یہ تیس سالہ دور ہے جو بنص حدیث ثابت ہے اسکے بعد بادشاہت و سلطنت کا دور ہے حضرت امیر معاویہ مسلمانوں میں سب سے پہلے بادشاہ ہیں اور تمام مسلم بادشاہوں میں سب سے افضل ہیں۔

تمام صحابہ نے متفقہ طور پر حضرت ابو بکر کے ہاتھوں پر بیعت کی حضرت ابو بکرؓ نے اپنی حیات کے آخری دور میں صحابہ کے اتفاق سے حضرت عمرؓ کو اپنا ولی عہد

مقرر کیا، حضرت عمرؓ نے اپنے آخری دور میں چھ نفری کمیٹی کے ذریعہ باتفاق صحابہ حضرت عثمانؓ کو مقرر کیا، حضرت عثمانؓ شہید کردیئے گئے تو وہ اپنا خلیفہ نہیں بنا سکے اسلئے انصار و مہاجرین میں سے ارباب حل وعقد نے حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت کرلی کیونکہ اب روئے زمین پر آپ ہی سب سے افضل تھے۔

(۱۰۲) وَ اِنَّ الْعَشَرَةَ الَّذِيْنَ سَمَّاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَشْهَدُ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ عَلٰى مَا شَهِدَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَ هُمْ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَ عُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَ طَلْحَةُ وَ زُبَيْرُ وَ سَعْدٌ وَ سَعِيْدٌ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَ اَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَ هُمْ اُمَنَاءُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ.

**ترجمہ:** (۱۰۲) اور بلاشبہ وہ دس صحابہ جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نام بنام) تصریح فرمادی ہے ہم ان کے جنتی ہونے کی شہادت دیتے ہیں اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی شہادت دی ہے، اور آپ کا یہ فرمان برحق ہے اور وہ دس حضرات (عشرۂ مبشرہ) یہ ہیں : (۱) حضرت ابو بکرؓ (۲) حضرت عمرؓ (۳) حضرت عثمانؓ (۴) حضرت علیؓ (۵) حضرت طلحہؓ (۶) حضرت زبیرؓ (۷) حضرت سعدؓ (۸) حضرت سعیدؓ (۹) حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ (۱۰) حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح۔ اور یہ سب اس امت کے امین کہلاتے ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

**تشریح:** (۱۰۲) ان حضرات کو عشرۂ مبشرہ کہا جاتا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، ارشاد ہے اَبُوْ بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَ عُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَ عُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَ عَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَ طَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَ الزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ فِي الْجَنَّةِ وَ سَعِيْدُ بْنُ زَيْدٍ فِي الْجَنَّةِ وَ اَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ (ترمذی) وَ فَضَائِلُ اَكْثَرُ مِنْ اَنْ تُحْصٰى.

(۱۰۳) وَ مَنْ اَحْسَنَ الْقَوْلَ فِی اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ اَزْوَاجِہ وَ ذُرِّیَّاتِہ فَقَدْ بَرِیٔ مِنَ النِّفَاقِ (۱۰۴) وَ عُلَمَاءُ السَّلَفِ مِنَ الصَّالِحِیْنَ السَّابِقِیْنَ وَ التَّابِعِیْنَ وَ مَنْ بَعْدَھُمْ مِنْ اَھْلِ الْخَیْرِ وَ الْاَثَرِ وَالْفِقْہِ وَ النَّظْرِ لَا یُذْکَرُ اِلاَّ بِالْجَمِیْلِ وَمَنْ ذَکَرَھُمْ بِسُوْءٍ فَھُوَ عَلٰی غَیْرِ السَّبِیْلِ (۱۰۵) وَلَا نُفَضِّلُ اَحَداً مِنَ الْاَوْلِیَاءِ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ

**ترجمہ:** (۱۰۳) اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور آپکی ازواج مطہرات اور آپ کی پاکیزہ اولاد کی شان میں اچھی گفتگو کی (انہیں ہر قسم کے اخلاقی میل کچیل سے پاک سمجھا) تو وہ نفاق سے بری ہے۔ (۱۰۴) اور علماء سلف صالحین یعنی صحابہ و تابعین اور بعد میں آنیوالے خیر و بھلائی والے اہل حدیث، اہل فقہ و نظر ہیں، ان کا تذکرہ اچھے انداز میں ہونا چاہئے، جس نے انہیں برے انداز میں یاد کیا وہ یقیناً راست پر نہیں ہے (۱۰۵) اور ہم کسی ولی کو کسی نبی پر فضیلت نہیں دیتے۔

**توضیح:** ازواج جمع زوج، خاوند، بیوی۔ ذریات جمع ذریۃ: اولاد، نسل

**تشریح:** (۱۰۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِی اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ مِنْ بَعْدِیْ غَرَضاً۔ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد انہیں تنقید کا نشانہ نہ بنانا۔ اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِی اَھْلِ بَیْتِی ثَلاثاً۔ رواہ مسلم میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کا حوالہ دیکر تین چیزوں کی نصیحت کرتا ہوں۔ اِرْقُبُوْا مُحَمَّداً فِی اَھْلِ بَیْتِہ (رواہُ البخاری) محمد کا خیال رکھو اس کے اہل بیت میں سے۔

ان روایات کی روشنی میں اصحاب رسول، ازواجِ مطہرات وغیرہ سے حسن عقیدت رکھنا، اور ان کی عملی زندگی کو معیارِ حق سمجھنا اصل ایمان اور کمال طاعت ہے، اور ان سے بغض و عناد رکھنا، بدگمانی اور سب و شتم کرنا، ملامت و تنقید کا نشانہ بنانا اور ریا وسمعہ اور رواجاً ان کی ثناخوانی اور مدح سرائی کرنا نصوص کی مخالفت، ایمان سے دشمنی

اور نفاق سے بڑھ کر نفاق ہے۔

(۱۰۴) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کثیرہ میں صحابہ کرام کی عظمت، فضیلت ومنقبت اور عدل وامانت بیان فرمائی ہے ارشادِ رسول ہے اَکْرِمُوْا اَصْحَابِی فَاِنَّهُمْ خِیَارُکُمْ (مشکوٰۃ) میرے صحابہ کی تعظیم کرو اس لئے کہ وہ تم سب میں بہتر ہیں۔

اَلنُّجُوْمُ اَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ فَاِذَا ذَهَبَتِ النُّجُوْمُ اَتَى السَّمَاءُ مَا تُوْعَدُ وَاَنَا اَمَنَةٌ لِاَصْحَابِیْ فَاِذَا ذَهَبْتُ اَنَا اَتَى اَصْحَابِی مَا یُوْعَدُوْنَ وَ اَصْحَابِی اَمَنَةٌ لِاُمَّتِیْ فَاِذَا ذَهَبَ اَصْحَابِیْ اَتَى اُمَّتِیْ مَا یُوْعَدُوْنَ. (رواہ مسلم)

ستارے آسمان کی حفاظت کا ذریعہ ہیں جب ستارے ختم ہو جائیں گے (قرب قیامت میں) تو آسمان پر وہ حوادث آئیں گے جن کا وعدہ کیا گیا ہے (ٹوٹ پھوٹ، خرق والتیام) اور میں اپنے صحابہ کی حفاظت کا ذریعہ ہوں پس جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ حالات آئیں گے جن کا ان کے بارے میں وعدہ کیا گیا ہے اور میرے صحابہ میری امت کی حفاظت کا ذریعہ ہیں پس جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ حالات آئیں گے جن کا ان کے متعلق وعدہ کیا گیا ہے۔ (علاماتِ قیامت کا ظہور)

اسی لئے اہل سنت والجماعت کا کہنا ہے اِنَّ الصَّحَابَةَ کُلُّهُمْ عُدُوْلٌ فَحُبُّهُمْ دِیْنٌ وَ بُغْضُهُمْ نِفَاقٌ. بے شک تمام صحابہ عادل ہیں ان سے محبت دین اور ان سے بغض نفاق ہے۔ صحابہ کے بعد آپؐ نے تابعین کے خیر امت ہونے کی شہادت دی ہے خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ. (حدیث)

آپ نے علماء امت کی بھی ثناء جمیل بیان فرمائی ہے اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ (حدیث) بے شک علماء انبیاء کے وارثین ہیں۔

اہل حدیث واہل فقہ ونظر کیلئے بھی آپ نے دعا کی ہے نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً

سَمِعَ مِنَّا شَيْئاً فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى لَهُ مِنْ سَامِعِ اللہ تعالیٰ اس آدمی کو خوش کرے جس نے ہم سے کچھ سنا اور پھر سننے کے مطابق اس کی تبلیغ کی پس بسا اوقات مبلغ سامع سے زیادہ محفوظ رکھنے والا ہوتا ہے۔

ان تمام روایات سے معلوم ہو گیا کہ صحابہ، تابعین، علماء، محدثین، فقہاء، اولیا اللہ سے محبت، حسن عقیدت اور ان کا ذکر بالخیر مسلمانوں پر لازم ہے، ان کی برائی اور توہین سے اجتناب ضروری ہے آج کل لوگوں نے علماء کو مطعون کرنے کا مشغلہ بنا رکھا ہے جو دین اور دنیا دونوں اعتبار سے مضر ہے اور علماء کی توہین بحیثیت علماء کفر ہے۔

(۱۰۵) اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ کوئی ولی نبی کے مقام کو نہیں پہونچ سکتا نبوت کا مقام ولایت سے اونچا ہے، ہر نبی ولی ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر ولی نبی ہو کیونکہ (۱) ولی نبی کی اتباع سے بنتا ہے، معلوم ہوا کہ نبی اصل اور ولی اس کی فرع ہے اور اصل، فرع سے افضل ہوتی ہے (۲) نبوت وہبی اور اللہ کی جانب سے اجتباء یعنی انتخاب ہے اور ولایت کسبی ہے، بندہ کے اللہ کی طرف انابت یعنی رجوع کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اور اجتباء انابت سے افضل ہے۔ (۳) نبی معصوم ہوتا ہے، قبل النبوۃ اور بعد النبوۃ بھی، ولی نہ قبل الولایت معصوم ہوتا ہے نہ بعد الولایت، بلکہ غیر معصوم ہوتا ہے اور معصوم غیر معصوم سے افضل ہوتا ہے۔ (۴) تمام صحابہ مقدس ہیں، درجہ بدرجہ قرآن وحدیث نے انکی شہادت دی ہے اور صحبت نبی کی وجہ سے ان صفات سے متصف ہیں جن سے ولی متصف نہیں، اس کے باوجود صحابہ کا مقام نبوت سے بڑھ کر نہیں کیونکہ ان میں یہ شان تقدیس علوم نبوت سے پیدا ہوتی ہے تو ولی کو یہ مقام کیسے حاصل ہو سکتا ہے جبکہ ولایت تمام متقین بلکہ تمام مومنین میں مشترک ہے۔ اِنْ اَولِيَاءُهُ اِلاَّ الْمُتَّقُوْنَ۔ اس لئے عام چیز خاص پر کیسے فوقیت حاصل کر سکتی ہے؟ ان مختلف وجوہِ ترجیح کی وجہ سے ولایت کا مقام نبوت سے نہیں بڑھ سکتا پس کچھ اغراض کے بندوں اور مطلب پرستوں کا یہ کہنا کہ مقام ولایت نبوت سے اعلیٰ وافضل ہے غلط ہے اور صریح نصوص کے خلاف ہے۔

(۱۰۶) وَ نَقُوْلُ نَبِيٌّ وَاحِدٌ اَفْضَلُ مِنْ جَمِيْعِ الْاَوْلِيَاءِ (۱۰۷) وَ نُؤْمِنُ بِمَا جَاءَ مِنْ كَرَامَاتِهِمْ وَ صَحَّ عَنِ الثِّقَاتِ مِنْ رِوَايَاتِهِمْ (۱۰۸) وَ نُؤْمِنُ بِاَشْرَاطِ السَّاعَةِ مِنْ خُرُوْجِ الدَّجَّالِ وَ نُزُوْلِ عِيْسٰى بْنِ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَاءِ وَ خُرُوْجِ يَاجُوْجَ وَ مَاجُوْجَ.

**ترجمہ:** (۱۰۶) اور (بلکہ) ہم اعتقاداً کہتے ہیں کہ ایک نبی تمام اولیاء سے افضل ہے (۱۰۷) اور ہم اولیاء سے ظاہر ہونیوالی کرامات کو تسلیم کرتے ہیں اور ان سے مروی ثقہ روایات کو صحیح مانتے ہیں (۱۰۸) اور ہم قیامت کی علامات پر یقین رکھتے ہیں مثلاً دجال کی آمد، عیسیٰ بن مریمؑ کا آسمان سے نزول فرمانا، یاجوج وماجوج کا خروج۔

**تشریح:** (۱۰۶) ارشادِ رسول ہے اَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ. (رواهُ الترمذی) میں اولین اور آخرین میں معزز ہوں۔ اس حدیث سے آپ کا تمام اولیاء اولین و آخرین بلکہ تمام انبیاء سے افضل ہونا ثابت ہو گیا، اور نفس نبوت میں تمام انبیاء مشترک ہیں اسلئے تمام انبیاء کا تمام اولیاء سے افضل ہونا ثابت ہو گیا۔

(۱۰۷) کرامت اور معجزہ کہتے ہیں خوارق عادت امور کا ظاہر ہونا، یعنی اللہ کے کسی فعل کا بندے کے ہاتھوں ظاہر ہونا۔ اگر یہ خرقِ عادت نبی کے ہاتھوں ظاہر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے اور اگر کسی ولی یا بزرگ کے ہاتھوں ظاہر ہو تو کرامت کہلاتا ہے اور اگر ولی کے علاوہ کسی اور سے ظاہر ہو تو تخیل اور استدراج کہلاتا ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ خرقِ عادت امر ظاہر ہونے کیلئے ایمان شرط نہیں اس طرح کی باتوں کا ظہور غیر مؤمن سے بھی ہو جاتا ہے، مگر ولی کیلئے دینداری اور اس پر استقامت شرط ہے۔ اس لئے تنہا خوارق کا ظہور عند اللہ مقبول ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اس کا معیار اصل دین ہے اگر وہ دیندار ہے تو وہ عند اللہ مقبول ہے ورنہ مردود، خواہ اس سے کتنے ہی خوارق ظاہر ہوں۔ ولی کی کرامت معجزات انبیاء کا اثر ہے جیسا کہ متقی عالم کا علم علم انبیاء کا اثر ہے اور حسن اخلاق انبیاء کے اخلاق کی فرع ہے۔

کرامتِ اولیاء کا ثبوت کتاب وسنت سے ہے اسی لئے محدثین نے اپنی کتابوں میں

باب الکرامات کا عنوان قائم کیا ہے اور صحابہ اور انکے بعد اولیاء کی کرامت نقل کی ہیں

(۱) حضرت مریم کی کرامت قرآن میں مذکور ہے (۲) حضرت عمرؓ کے خط سے دریائے نیل جو خشک ہو گیا تھا جاری ہو گیا (۳) نہاوند میں آپ کا لشکر جنگ میں مصروف ہے آپ نے مدینہ میں جمعہ کے خطبہ کے دوران کہا یا ساریۃ الجبل. تو لشکر کے لوگوں نے اس کو سنا۔ (۴) شدید تاریک رات میں اسید بن حضیرؓ اور عباد بن بشیرؓ حضور کے پاس سے جا رہے تھے تو ان کی لاٹھی روشن ہو گئی جس سے انہیں روشنی مل گئی (۵) حضرت ابو بکرؓ کے پاس کچھ مہمان کھانا کھا رہے تھے جتنا کھانا وہ کھاتے تھے اس سے زیادہ وہ کھانا بڑھتا جاتا (۶) سعید بن مسیب تابعی حرۃ کے دنوں میں جب مسجد نبوی میں تین دن اذان نہیں ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے ہلکی سی آواز سنی اور اس سے نماز کا وقت پہچانا (۷) مولیٰ رسول حضرت سفینہؓ ایک سفر میں قافلہ سے کسی وجہ سے الگ ہو گئے اور راستہ بھول گئے تو راستہ میں ایک شیر ملا اور اس سے کہا اے ابو الحارث (شیر کی کنیت) میں غلام رسول راستہ بھول گیا ہوں مجھے راستہ بتاؤ، تو شیر ان کے ساتھ چلا اور رستہ بتایا۔ اس طرح کی بیشمار کرامات ہیں جن کو یہاں شمار نہیں کرایا جا سکتا ہم ان سب کرامات پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

(۱۰۸) قرب قیامت میں کچھ علامتیں ظاہر ہوں گی جو اس بات کا پتہ دیں گی کہ اب قیامت قریب ہے ان علامتوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں یہاں بیان فرمایا ہے اور کچھ علامتیں قرآن کریم میں بھی بیان کی گئی ہیں مثلاً (۱) دخان (۲) دجال کی آمد (۳) زمین سے ایک چوپایہ کا نکلنا (۴) سورج کا مغرب سے نکلنا (۵) عیسیٰ بن مریم کا نزول فرمانا (۶) یاجوج ماجوج کا خروج (۷) تین خسوف ایک مشرق میں ایک مغرب میں ایک جزیرۂ عرب میں (۸) یمن سے ایک آگ چلے گی جو لوگوں کو حشر تک لیجائے گی ارشاداتِ باری یہ ہیں: وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْہِمْ اَخْرَجْنَا لَہُمْ دَآبَّۃً مِّنَ الْاَرْضِ تُکَلِّمُہُمْ۔ اور جب ان پر بات ثابت ہو جائیگی تو پیدا کریں گے ہم زمین (صفا پہاڑی سے) ایک چوپایہ جو لوگوں سے باتیں کرے گا۔

حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاجُوْجُ وَ مَاجُوْجُ وَ ھُمْ مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ۔ (انبیاء) یہاں تک کہ جب (سکندر ذوالقرنین کی بنائی ہوئی آہنی دیوار ٹوٹ جائیگی جس کے ذریعہ قوم یاجوج وماجوج کا راستہ بند کر رکھا ہے تو) یاجوج وماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر اونچان سے پھسلتے چلے آئیں گے (اور دنیا میں فساد پھیلائیں گے پھر ایک بیماری پھیلے گی جس سے وہ سب مر جائیں گے)

یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ آیَاتِ رَبِّکَ لَا تَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُھَا لَمْ تَکُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ کَسَبَتْ فِیْ اِیْمَانِھَا خَیْرًا۔ (انعام) جس دن آئے گی ایک نشانی تیرے رب کی نہ کام آئے گا کسی نفس کو اس کا ایمان جو پہلے سے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ کی تھی "یعنی جب سورج مغرب کی طرف سے نکلے گا تو اسکے بعد نہ کسی کافر کا ایمان قبول ہو گا نہ کسی فاسق کی توبہ"

حدیث میں ہے کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ جو مسیح ہدایت ہیں آسمان سے مسجدِ اقصیٰ کے مینارہ پر نزول فرمائیں گے امام مہدی کی اقتداء کریں گے، صلیب توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور دجال کو قتل کریں گے جو مسیح ضلالت ہے جس کی ایک آنکھ کانی ہوگی اور اس کی پیشانی پر کافر لکھا ہوگا۔ (مختصر از حدیث)

(۱۰۹) وَلَا نُصَدِّقُ کَاھِنًا وَلَا عَرَّافًا (۱۱۰) وَلَا مَنْ یَّدَّعِیْ شَیْئًا یُخَالِفُ الْکِتَابَ وَ السُّنَّةَ وَ اِجْمَاعَ الْاُمَّةِ (۱۱۱) وَ نَرَی الْجَمَاعَةَ حَقًّا وَ صَوَابًا وَالْفُرْقَةَ زَیْغًا وَ عَذَابًا۔

**ترجمہ:** (۱۰۹) اور ہم کسی کاہن (نجومی) کی تصدیق نہیں کرتے (۱۱۰) اور نہ ہی ہم اسے سچا جانتے جو کتاب وسنت اور اجماع کے خلاف کوئی دعویٰ کرے (۱۱۱) اور ہم جماعت مسلمین کو حق اور درست سمجھتے ہیں اور فرقہ بندی کو کجروی اور عذاب سمجھتے ہیں۔

**توضیح:** کاھن: وہ شخص جو مستقبل میں واقع ہونیوالی چیزوں کی خبر دے، پوشیدہ چیزوں کی معرفت کا دعویٰ کرے اور غیب کی باتیں بتائے۔ عرَّاف:

نجومی، طبیب، ستاروں وغیرہ کا حساب لگا کر کسی چیز کا فیصلہ کرنا۔

**تشریح:** (۱۰۹) علم غیب باری تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے کسی اور میں یہ صفت نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی انسان مثلاً کاہن یا نجومی وغیرہ غیب کی خبریں دیں تو ہم ان کی تصدیق نہیں کریں گے کیونکہ احادیث میں اس کی تصدیق پر سخت وعید آئی ہے ارشادِ رسول ہے مَنْ اَتٰی عَرَّافًا اَوْ کَاهِنًا وَ فِیْ رِوَایَۃٍ فَقَدْ سَأَلَهٗ وَصَدَّقَهٗ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مسند احمد) جو عراف یا کاہن کے پاس آیا (ایک روایت میں یہ اضافہ ہے) اور اس سے معلومات کی پھر جو اس نے کہا اس کی تصدیق کی تو اس نے انکار کیا اس کا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ جیسے اس حدیث سے سائل کا حال معلوم ہو گیا مسؤل کا حال بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا کہ وہ بھی کافر ہے۔

صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی حقیقت کے بارے میں عرض کیا کہ یہ (کاہن) کبھی ہم کو کوئی چیز بتادیتے ہیں تو وہ حق ثابت ہو جاتی ہے، تو آپ نے فرمایا: وہ بات تو حق ہوتی ہے اور اس کو شیطان چوری چھپے سن کر ان کاہنوں کے ذہن میں ڈال دیتا ہے پھر وہ کاہن اس میں سو جھوٹ ملاتا ہے۔

دراصل اس فن کہانت میں ریاضت، تخیل اور شیاطین سے مدد لی جاتی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں اس طرح کے بہت طریقے رائج تھے یہ سب طریقے قمار، جوا اور باطل ہیں، اس لئے اسلام نے سختی کے ساتھ ان کی مخالفت کی اور ان کو حرام قرار دیا۔ ارشادِ باری ہے۔ وَ اَنَّهٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا (جن) اور یہ کہ تھے کتنے مرد انسانوں میں کے پناہ پکڑتے تھے کتنے مردوں کی جنوں میں سے پھر تو اور زیادہ سر چڑھنے لگے۔ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ (مائدہ) شراب، جوا، بت اور پانسے گندے کام ہیں شیطان کے، سو اُن سے بچتے رہو۔

(۱۱۱) اسلام کی آمد کا مقصد تمام انسانوں کو نکتہ وحدت و اجتماعیت پر جمع کرنا ہے

جو اس کا طرۂ امتیاز ہے اسی لئے اہل سنت والجماعت مسلمانوں کی اجتماعیت کو حق اور درست سمجھتے ہیں اور انتشار وافتراق کو گمراہی اور ذریعہ عذاب، ارشادِ باری ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا۔(آل عمران) اور مضبوط پکڑو اللہ کی رسی سب ملکر اور پھوٹ نہ ڈالو۔ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتَابِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ۔ (بقرہ) جنہوں نے کتاب اللہ میں اختلاف کیا وہ بڑی ضد پر ہیں۔ حدیث میں ہے لا اسلام الاّ بجماعة. اسلام بغیر اجتماعیت کے نہیں۔

فقہی مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف حق کی تلاش میں ہوتا ہے اس لئے وہ کجی نہیں اور مذموم نہیں بلکہ محمود ہے اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةٌ۔ انہی کے متعلق آیا ہے کیونکہ دین کے بنیادی مسائل میں وہ متحد ہیں، اور فروعیات میں ان کا اختلاف مضبوط دلائل پر مبنی ہوتا ہے۔

ارشادِ باری ہے قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ۔ (انعام) تو کہہ اسی کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب اوپر سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے یا بھڑا دے تم کو مختلف فرقے کر کے اور چکھادے ایک کو لڑائی ایک کی۔

وَ دِيْنُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ وَاحِدٌ وَهُوَ دِيْنُ الْاِسْلَامِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَقَالَ تَعَالٰى رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا وَ هُوَ بَيْنَ الْغُلُوِّ وَالتَّقْصِيْرِ وَ التَّشْبِيْهِ وَالتَّعْطِيْلِ وَ بَيْنَ الْجَبْرِ وَالْقَدْرِ وَ بَيْنَ الْاَمْنِ وَ الْيَاسِ فَهٰذَا دِيْنُنَا وَ اعْتِقَادُنَا ظَاهِرًا وَ بَاطِنًا۔

**ترجمہ:** (۱۱۲) اور زمین و آسمان میں عز و جل کا دین ایک ہی ہے، اور وہ دین اسلام ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ بلاشبہ دین اللہ کے نزدیک فقط اسلام ہے (اور دوسرے مقام پر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا

رَضِیْتُ لَکُمُ الاِسْلَامَ دِیْنًا، (مائدہ) میں نے اسلام کو تمہارے لئے بطور دین پسند کیا اور یہ (دین اسلام) افراط و تفریط، تشبیہ و تعطیل اور جبر وقدر اور بے خوفی وناامیدی کے درمیان (ایک سیدھا راستہ ہے) پس ظاہر وباطن دونوں اعتبار سے یہی ہمارا دین واعتقاد ہے (ظاہراً یعنی زبان سے اقرار اور عمل بالارکان کر کے اور باطناً یعنی مکمل یقین اور تصدیق قلبی کر کے)

**توضیح:** دین اسلام: کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں جن میں کوئی تضاد نہیں ہے (۱) وہ طریقہ جو اللہ نے بندوں کیلئے اپنے رسولوں کی زبانی مشروع کیا (۲) اطاعت وفرمانبرداری، جیسا کہ تمام مخلوق (جن وانس وغیرہ) تکوینی وتشریعی طور پر اللہ کے تابع فرمان ہے ارشاد باری ہے وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ طَوْعًا کَرْهًا (آل عمران) اور اسی کے حکم میں ہے جو آسمان وزمین میں ہیں خوشی سے اور لاچاری سے (۳) عبدیت مطلقہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ معبود اور تمام مخلوق اسکے بندے ہیں، ارشاد باری ہے اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الاَرْضِ اِلاَّ آتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا. (مریم) کوئی نہیں آسمان وزمین میں جو نہ آئے رحمٰن کا بندہ ہو کر۔

**تشریح:** (۱۱۲) حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کا دین ایک ہی رہا ہے یعنی دین اسلام۔ شرعی احکام ومسائل میں حالات اور ضرورتوں کے مطابق اگرچہ سب کی شریعت مختلف رہی ارشاد باری ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الاِسْلَامُ، اللہ کی نظر میں دین فقط اسلام ہے۔ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ. (آل عمران) اور جو اسلام کے علاوہ دین اختیار کرے گا سو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا ارشادِ رسول ہے اِنَّا مَعَاشِرَ الاَنْبِیَاءِ دِیْنُنَا وَاحِدٌ. ہم انبیاء کی جماعت ہیں ہم سب کا دین ایک ہے۔ باری تعالیٰ نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی تکمیل کر دی اور چونکہ یہ دین بنی نوع انسان کیلئے نعمت عظمیٰ تھا اس لئے آپ کی ذاتِ اقدس پر اس نعمت کا اتمام کر دیا گیا۔

مَنْ يَّبْتَغِ میں کلمہ "مَنْ" سب کو شامل ہے اور یہ حکم اپنے عموم واطلاق کے اعتبار سے اس وقت صحیح ہوگا جبکہ اسلام کو اس امت اور سابقہ بھی امتوں حتی کہ زمین و آسمان میں سب کیلئے ثابت مانا جائے۔

دین محمدی میں اعتدال اور میانہ روی ہے، نہ اس میں دین موسوی جیسا افراط یعنی تقصیر ہے، نہ دین عیسوی جیسی تفریط یعنی غلو، نہ اس میں راہبانہ طرز اختیار کیا گیا ہے کہ حلال چیزوں کو بھی حرام کیا ہو اور نہ یہ کہ چوپاؤں کی طرح آزاد، کہ حلال وحرام میں امتیاز باقی نہ رہے۔ حدیث میں ہے کہ بعض صحابہ نے زہد و تقویٰ میں غلو سے کام لیا اور عہد کیا کہ نہ ہم گوشت کھائیں گے نہ عورتوں سے نکاح کریں گے نہ رات میں سوئیں گے نہ دن میں افطار کریں گے اور بعض نے تو خصی ہونے کا ارادہ کرلیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو انہیں عتاب کیا اور فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا جو اس طرح کی باتیں کہہ رہے ہیں جبکہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں سوتا بھی ہوں کھڑا بھی ہوتا ہوں گوشت بھی کھاتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔ پس جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

تقصیر اور کوتاہی کرنیوالوں کے بارے میں ارشاد باری ہے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاؤُنَ وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ۔ (ماعون) سو خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں اور برتنے کی چیز مانگی نہیں دیتے۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ۔ (مطففین) خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ لوگ کہ جب ناپ کرلیں لوگوں سے تو پورا بھرلیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کردیں تو گھٹا کردیں۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ۔ اور خیال نہ کریں وہ جو بخل کرتے ہیں اس میں جو اللہ نے اپنے

فضل سے انہیں دیا ہے کہ وہ ان کے لئے بہتر ہے نہیں بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے۔

فهذا: یعنی شروع کتاب سے لیکر اب تک جو بیان کیا گیا وہ سب ہمارا دین اور اعتقاد ہے اسلئے کہ یہ تمام باتیں کتاب و سنت کے محکمات اور تصریحات ہیں اور ہمارے سلف صالحین کا غیر منقطع متوارث سلسلہ ہے جس کی سند اول سے آخر تک متصل ہے۔

(۱۱۳) وَ نَحْنُ بُرَاءُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ كُلِّ مَا خَالَفَ الَّذِی ذَكَرْنَاهُ وَ بَيَّنَّاهُ وَ نَسْأَلُ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنْ يُّثْبِتَنَا عَلَى الْاِيْمَانِ وَ يَخْتِمَ لَنَا بِهٖ وَ يَعْصِمَنَا عَنِ الْاَهْوَاءِ الْمُخْتَلِفَةِ وَ الْآرَاءِ الْمُتَفَرِّقَةِ وَ الْمَذَاهِبِ الرَّدِيَّةِ مِثْلَ الْمُشَبِّهَةِ وَ الْمُعْتَزِلَةِ وَ الْجَهْمِيَّةِ وَ الْجَبْرِيَّةِ وَ الْقَدْرِيَّةِ وَ غَيْرِهِمْ مِنَ الَّذِيْنَ خَالَفُوا السُّنَّةَ وَ الْجَمَاعَةَ وَ حَالَفُوا الضَّلَالَةَ (كَالْمَوْدُوْدِیْ وَالرِّضَاخَوَانِیْ وَ الْقَادِيَانِیْ وَ غَيْرِ الْمُقَلِّدِيْنَ) وَ نَحْنُ بُرَآءُ مِنْهُمْ وَ هُمْ عِنْدَنَا ضُلَّالٌ اَرْدِيَاءُ وَ بِاللّٰهِ الْعِصْمَةُ وَ التَّوْفِيْقُ وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ سَلَّمَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

**ترجمہ:** (۱۱۳) اور ہم اللہ کی جانب برأت ظاہر کرتے ہیں ہر اس شخص سے جو اس طریقہ کا مخالف ہو جس کو ہم نے ذکر کیا اور بیان کیا (اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہم نے جو ذکر کیا وہ اہل حق کا مسلک ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط بلکہ راہِ اعتدال ہے) اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے ہیں کہ ہم کو ایمان پر ثابت قدم رکھے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے، اور دین میں اختلاف پیدا کرنیوالی خواہشات، فرقہ بندی پیدا کرنیوالے خیالات اور مردود فرقوں سے حفاظت فرمائے مثلاً مشبہ، معتزلہ، جہمیہ، جبریہ، قدریہ۔ اور ان کے علاوہ ان لوگوں سے جو سنت وجماعت کے مخالف اور ضلالت وگمراہی کے حلیف (رفیق) ہیں (مثلاً مودودی، رضاخوانی، قادیانی، غیر مقلدین) اور ہم ان سے برأت ظاہر کرتے ہیں اور یہ (تمام فرقے) ہمارے نزدیک گمراہ ہیں اور اللہ کی ذات سے عصمت وتوفیق مل سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ درود

وسلام نازل فرمائے ہمارے سردار محمد ﷺ پر اور آپ کی اولاد واصحاب پر تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کیلئے ہیں۔

**تشریح:** (۱۱۳) ان تمام فرقِ باطلہ کی مکمل تفصیل مقدمہ میں آچکی ہے ہم ان کے خیالات فاسدہ اور عقائد باطلہ سے مکمل برأت کا اعلان کرتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم نے برأت کا اظہار فرمایا تھا ارشادِ باری ہے وَ اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ اِنَّنِیْ بُرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ۔ (زخرف) اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا بلا شبہ میں تمہارے معبودوں سے بری ہوں مگر وہ ذات جس نے مجھے پیدا کیا پس وہ مجھے راہِ راست دکھائے گا۔

# ضمیمہ از حکیم الاسلام قدس سرہ

## مَبَانِی الْخِلَافَةِ وَ السِّيَاسَةِ الدِّيْنِيَّةِ وَ غَايَاتِهَا مِنَ الْمُحَشِّیْ مُدَّ ظِلُّهٗ

**ترجمہ:** خلافت اور سیاست دینیہ کی بنیادیں اور اس کی غایات (مقاصد) محشی مد ظلہ کی جانب سے۔

**توضیح:** مبانی: مبنٰی کی جمع ہے معنی بنیاد۔ خلافت: باب (ن) جانشین ہونا، سیاسۃ ساس سیوس، (باب ن) انتظام کرنا۔ غایات: غایۃ کی جمع ہے، انتہاء، مقصود۔

**تشریح:** مصنف علیہ الرحمہ نے مسئلہ خلافت کو اس کی دینی اہمیت اور اسلامی سیاست اور اجتماعیت کی بنیاد کی وجہ سے عقائد ضروریہ میں شمار کیا اور اس پر گفتگو فرمائی اور اپنے ذوق کے مطابق جس قدر ضروری سمجھا بیان کر دیا۔ محشی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ رئیس الجامعۃ دار العلوم

دیوبند نے خلافت کے تقاضے اور اسکے مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک متن کا اضافہ فرمایا، تاکہ طالبین کے سامنے خلافت کا صحیح نقشہ سامنے آجائے جو تاریکی کے پردوں میں چھپا ہوا ہے، مذکورہ بالا عبارت اسی متن کا عنوان ہے۔

نظام خلافت کو قائم کرنے کیلئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان کو متن کی شرح میں بیان کیا جائیگا اس سے پہلے خلافت کے متعلق ضروری تفصیل ملاحظہ کرتے چلئے،

خلافت کا مطلب ہے زمین کا نظام اور اس میں خدا کا قانون نافذ کرنے کیلئے اس کی طرف سے کسی نائب کا مقرر کرنا، قرآن مجید میں ہے کہ اقتدار اعلیٰ تمام کائنات اور پوری زمین پر صرف اللہ کا ہے ارشاد باری ہے اِنِ الحُكْمُ اِلاَّ لِلّٰهِ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰاتِ وَ الْاَرْضِ اَلاَ لَهُ الخَلْقُ وَ الْاَمْرُ. زمین کے انتظام کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نائب آتے ہیں جو باذن خداوندی زمین پر سیاست وحکومت اور بندگانِ خدا کی تعلیم وتربیت کا کام کرتے اور احکامِ الٰہیہ کو نافذ کرتے ہیں اس خلیفہ ونائب کا تقرر بلاواسطہ خود حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اس میں کسی کے کسب وعمل کا کوئی دخل نہیں اسی لئے پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نبوت کسی چیز نہیں جس کو کوئی اپنی سعی وعمل سے حاصل کر سکے بلکہ حق تعالیٰ ہی خود اپنے علم وحکمت کے تقاضے سے خاص خاص افراد کو اس کام کیلئے چن لیتے ہیں جن کو اپنا نبی ورسول وخلیفہ ونائب قرار دیتے ہیں قرآن حکیم نے جگہ جگہ اس کا اظہار فرمایا ہے ارشاد ہے اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ رُسُلاً وَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ. اللہ تعالیٰ انتخاب کرلیتا ہے فرشتوں میں اپنے رسول کا اور انسانوں میں سے بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے نیز ارشاد ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ. (انعام) اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ اپنی رسالت کس کو عطا فرمادیں۔

یہ خلیفۃ اللہ بلاواسطے حق تعالیٰ سے اس کے احکام معلوم کرتے اور پھر ان کو دنیا میں نافذ کرتے ہیں یہ سلسلۂ خلافت ونیابت الٰہیہ کا آدم علیہ السلام سے شروع ہوکر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہی انداز میں چلتا رہا یہاںتک کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے آخری خلیفہ ہوکر بہت سی اہم

خصوصیات کے ساتھ تشریف لائے۔

ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ سے قبل انبیاء خاص خاص قوموں یا ملکوں کی طرف ہوتے تھے ان کا حلقہ حکومت واختیار انہیں قوموں اور ملکوں میں محدود ہوتا تھا ابراہیم علیہ السلام ایک قوم کی طرف، لوط علیہ السلام ایک قوم کی طرف مبعوث ہوئے، اور حضرت عیسیٰؑ و موسیٰؑ اور ان کے درمیان آنیوالے انبیاء بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے عالم اور اس کی دونوں قوم جنات وانسان کی طرف بھیجا گیا آپ کا اختیار واقتدار پوری دنیا کی قوموں پر حاوی فرمایا گیا قرآن کریم نے آپ کی بعثت ونبوت کے عام ہونے کا اعلان اسی آیت میں فرمایا قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ (اعراف) آپ کہہ دیجئے اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف اللہ وہ ذات ہے جس کے قبضہ میں ہے ملک آسمان وزمین کا۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تمام انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں میں خاص فضیلت بخشی گئی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کو تمام عالم کا رسول اور نبی بنا کر بھیجا گیا۔

دوسری خصوصیت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ پچھلے انبیاء کی خلافت ونیابت جس طرح خاص خاص ملکوں اور قوموں میں محدود ہوتی تھی اسی طرح ایک خاص زمانے کیلئے مخصوص ہوتی تھی اس کے بعد دوسرا رسول آجاتا تو پہلے رسول کی خلافت ونیابت ختم ہو کر آنے والے رسول کی خلافت قائم ہو جاتی، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے خاتم الانبیاء بنادیا کہ آپ کی خلافت ونیابت قیامت تک قائم رہے گی اس کا زمانہ بھی کوئی مخصوص زمانہ نہیں بلکہ جب تک زمین وآسمان قائم اور زمانے کا وجود ہے وہ بھی قائم ہے۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی شریعت ایک زمانہ تک محفوظ رہتی اور چلتی تھی رفتہ رفتہ اس میں تحریفات ہوتے ہوتے کالعدم ہو جاتی

تھی اس وقت کوئی دوسرا رسول اور دوسری شریعت بھیجی جاتی تھی۔

ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کا دین اور آپ کی شریعت قیامت تک محفوظ رہے گی قرآن مجید جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا اس کے تو الفاظ اور معانی سب چیزوں کی حفاظت حق تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے لی اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر) بیشک ہم نے ہی قرآن نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کی تعلیمات وارشادات جن کو حدیث کہا جاتا ہے اس کی حفاظت کا بھی اللہ تعالیٰ نے ایک خاص انتظام فرمادیا کہ قیامت تک آپکی تعلیمات اور ارشادات کو جان سے زیادہ عزیز سمجھنے والی ایک جماعت باقی رہے گی جو آپ کے علوم ومعارف اور آپ کے شرعی احکام صحیح صحیح لوگوں کو پہنچاتی رہے گی کوئی اس کو مٹانہ سکے گا اللہ تعالیٰ کی تائید غیبی ان کے ساتھ رہے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی کتابیں اور صحیفے مسخ اور محرف ہو جاتے اور بالآخر دنیا سے گم ہو جاتے یا غلط سلط باقی رہتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب قرآن اور آپ کی بتلائی ہوئی ہدایات حدیث بکی سب اپنے اصلی خدوخال کے ساتھ قیامت تک موجود و محفوظ رہے گی اسی لئے اس زمین پر آپ کے بعد نہ کسی نئے نبی اور رسول کی ضرورت ہے نہ کسی اور خلیفۃ اللہ کی گنجائش۔

چوتھی خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ پچھلے انبیاء کی خلافت و نیابت جو محدود زمانے کیلئے ہوتی تھی ہر نبی ورسول کے بعد دوسرا رسول منجانب اللہ مقرر ہوتا اور نیابت کا کام سنبھالتا تھا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ خلافت و نیابت تا قیامت ہے اس لئے قیامت تک آپ ہی اس زمین میں خلیفۃ اللہ ہیں آپ کی وفات کے بعد نظام عالم کیلئے جو نائب ہوگا وہ خلیفۃ الرسول اور آپ کا نائب ہوگا، صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کَانَتْ بَنُوْاِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا هَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَهٗ

نَبِیٌّ وَ اِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَ سَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ فَیَکْثُرُوْنَ. بنی اسرائیل کی سیاست وحکومت انکے انبیاء کرتے تھے ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی آجاتا تھا اور خبردار رہو کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہاں میرے خلیفہ ہونگے اور بہت ہونگے۔

پانچویں خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ آپ کے بعد آپکی امت کے مجموعے کو اللہ تعالیٰ نے وہ مقام عطا فرمایا جو انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے یعنی امت کے مجموعے کو معصوم قرار دیدیا کہ آپ کی پوری امت کبھی گمراہی اور غلطی پر جمع نہیں ہوگی، یہ پوری امت جس مسئلہ پر اجماع واتفاق کرے وہ حکم خداوندی کا مظہر سمجھا جائے گا اسی لئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے بعد اسلام میں تیسری حجت اجماع امت قرار دی گئی ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے لَنْ یَجْتَمِعَ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَةِ، میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی۔

اسکی مزید تفصیل اس حدیث سے معلوم ہوجاتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، دنیا کتنی ہی بدل جائے حق کتنا ہی مضمحل ہوجائے مگر ایک جماعت حق کی حمایت ہمیشہ کرتی رہے گی اور انجام کار وہی غالب رہے گی۔

اس سے بھی واضح ہوگیا کہ پوری امت کبھی گمراہی اور غلطی پر مجتمع نہ ہوگی اور جبکہ امت کا مجموعہ معصوم قرار دیدیا گیا تو خلیفہ رسول کا انتخاب بھی اسی کے سپرد کردیا گیا اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نیابت زمین اور نظم حکومت کیلئے انتخاب کا طریقہ مشروع ہوگیا یہ امت جسے خلافت کیلئے منتخب کردے وہ خلیفہ رسول کی حیثیت سے نظام عالم کا واحد ذمہ دار ہوگا، اور خلیفہ سارے عالم کا ایک ہی ہوسکتا ہے۔

خلفاء راشدین ؓ کے آخری عہد تک یہ سلسلہ خلافت صحیح اصول پر چلتا رہا اور اسی لئے ان کے فیصلے صرف دینی اور ہنگامی فیصلوں کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ایک محکم دستاویز اور ایک درجہ میں امت کیلئے حجت مانے جاتے ہیں کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ. میری سنت کو لازم پکڑو اور خلفاء راشدین کی سنت کو۔

خلافت راشدہ کے بعد کچھ طوائف الملوکی کا آغاز ہوا مختلف خطوں میں مختلف امیر

بنائے گئے ان میں سے کوئی بھی خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں ہاں کسی ملک یا قوم کا امیر خاص کہا جا سکتا ہے، اور جب پوری دنیا سے مسلمانوں کا اجتماع کسی ایک فرد پر متعذر ہو گیا اور ہر ملک ہر قوم کا علیحدہ علیحدہ امیر بنانے کی رسم چل گئی تو مسلمانوں نے اسکا تقرر اسی اسلامی نظریہ کے تحت جاری رکھا کہ ملک کے مسلمانوں کی اکثریت جس کو امیر منتخب کرے وہی اس ملک کا امیر اور اولو الامر کہلائے گا قرآن مجید کے ارشاد وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ. کے عموم سے اس پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

اسمبلیاں اسی طرز عمل کا ایک نمونہ ہے فرق اتنا ہی ہے کہ عام جمہوری ملکوں کی اسمبلیاں اور ان کے ممبران بالکل آزاد و خود مختار ہیں محض اپنی رائے سے جو اچھا یا برا قانون بنا سکتے ہیں اسلامی اسمبلی اور اسکے ممبران اور منتخب کردہ امیر سب اس اصول و قانون کے پابند ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کو ملا ہے اس اسمبلی یا مجلس شوریٰ کی ممبری کیلئے بھی کچھ شرائط ہیں اور جس شخص کو یہ منتخب کریں اس کیلئے بھی کچھ حدود و قیود ہیں پھر ان کی قانون سازی بھی قرآن و سنت کے بیان کردہ اصول کے دائرہ میں ہو سکتی ہے اس کے خلاف کوئی قانون بنانے کا انہیں اختیار نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو مخاطب کر کے جو فرمایا ہے کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں (إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً) اس سے دستور مملکت کی چند اہم دفعات پر روشنی پڑتی ہے اول یہ کہ آسمان اور زمین میں اقتدار اعلیٰ اللہ جل مجدہ کا ہے۔ دوسرے یہ کہ زمین میں اللہ کے احکام کی تنفیذ کیلئے اسکا نائب و خلیفہ اس کا رسول ہوتا ہے۔ اور ضمنی طور پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ خلافت الٰہیہ کا سلسلہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا تو اب خلافت کا سلسلہ اسکے قائم مقام ہوا اور اس خلیفہ کا تقرر ملت کے انتخاب سے قرار پایا۔ (جواہر المعارف ص ۸۳)

(۱۱۴) وَ مِنِ اقْتِضَاءِ الْخِلَافَةِ الْإِسْتِخْلَافُ وَ هُوَ نَصْبُ الْإِمَامِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ حَسْبَ الْإِسْتِطَاعَةِ لِئَلَّا يَبْقَى الْقَوْمُ فَوْضٰى (۱۱۵) وَ انْتِخَابُ الْأَصْلَحِ بِمِعْيَارِ الْعِلْمِ وَالْحِفْظِ.

**ترجمہ:** (۱۱۴) اور خلافت کا تقاضا ہے خلیفہ بنانا، اور وہ ہر حال میں حسب استطاعت امام وحاکم کا تقرر ہے تاکہ قوم بغیر امیر نہ رہے (۱۱۵) اور خلافت کیلئے ایسے شخص کا انتخاب ہوگا جو علم سیاست اور ملکی حفاظت کے باصلاحیت معیار پر ہو۔

**توضیح:** اقتضاء: باب افتعال، تقاضا کرنا۔ استخلاف: باب استفعال، جانشین بنانا۔ انتخاب: باب افتعال، منتخب کرنا۔ فوضی: باب مفاعلت سے ماخوذ ہے معنی برابری۔ فوضی وہ قوم جس کا کوئی امیر نہ ہو۔

**تشریح:** (۱۱۴) خلافت کا منصب اسلام میں ایک عظیم الشان اور جلیل القدر منصب ہے، نجی اور انفرادی زندگی، گھریلو زندگی، حتی کہ شہری وملکی زندگی میں نظامِ امن وامان اور صلح وآشتی قائم رکھنے کیلئے دین کی حفاظت، حق مبین کی نصرت، احکامِ الٰہیہ کی تنفیذ، اسلامی سرحدوں کی نگہبانی، اخلاق ومعاشرت کو بہتر بنانے، جرائم اور فتنہ وفساد کی روک تھام، منکرات کا خاتمہ، امیر وغریب مرد وعورت چھوٹے بڑے انسانوں میں مساوات، پیار ومحبت، ہمدردی اور اتحاد واتفاق کی فضا قائم کرنے کیلئے منصب خلافت کی شدید ضرورت ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع فرمایا اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

خلافت وملوکیت دونوں صورۃً واسماً ایک دوسرے کے مشابہ ہیں کیونکہ ان دونوں میں شوکت وعظمت اور قوۃ کے معنی مشترک ہیں، پس قرن صحابہ کے بعد لوگوں نے ریاست اور شوکت عامہ کو حاصل کرنے کے لئے خلافت کے نام سے ملوکیت کو اختیار کیا پس انہوں نے خلافت کا نام تو باقی رکھا لیکن شرف ومال اور اقتدار کے لالچ میں خلافت کی حقیقت اور روح کو دفن کردیا جبکہ حدیث میں ہے کہ حب مال اور حب جاہ دونوں دین کیلئے ان دو بھوکے بھیڑیوں سے زیادہ مہلک ہیں جو بکریوں کے ریوڑ میں گھس کر انہیں نقصان پہونچائیں۔ پس لوگوں نے خلافت اور حکومت اسلامیہ کے نام پر ریاست قائم کی اور لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف مائل

کرنے کیلئے عدل، امن اور تقویت دین اور نصرت دین کو آڑ بنایا اور فتنہ و فساد اور ظلم برپا کیا، جنگ و جدل کو اختیار کیا اور گمراہ کن عقائد اور اعمال کے گڑھے میں خود بھی گرے اور دوسروں کو بھی گرایا۔ اس طرح خلافت کی حقیقت اور صحیح صورت حال کو نظر سے اوجھل کر دیا خاص طور سے اس زمانے میں لوگ خلافت کی طرف سے ایسی تہ بر تہ تاریکیوں میں ہیں کہ اگر آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو دیکھائی نہ دے۔

اس لئے ضروری تھا کہ خلافت الٰہیہ کی بنیادی باتوں اور خلافت و ملوکیت کے درمیان فرق کو بقدر ضرورت کتاب و سنت کی روشنی میں واضح کر دیا جائے، تاکہ اس سے تلبیس کا پردہ اٹھ جائے اور حق کا اظہار اور باطل کی تردید ہو۔ مصنفؒ نے اسکے بیان میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے، اسلئے کہ اس وقت خلافت کا دور گزرے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا خلافت کا صحیح نقشہ اور اسکا حقیقی مفہوم عام طور پر لوگوں کے دل و دماغ میں بیٹھا ہوا تھا اسلئے تفصیل و وضاحت کی ضرورت نہیں تھی لیکن یہ زمانہ خلافت کا زمانہ نہیں ہے بلکہ جہل، فساد قلب اور بھلائی کے نام پر سر سے فائدہ اٹھانے کا زمانہ ہے اسلئے اسکی قدرے وضاحت ضروری ہے۔

ماقبل کی تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ خلافت کی دو قسمیں ہیں (۱) خلافت الٰہیہ (۲) خلافت رسول۔ پس اللہ کے پہلے خلیفہ اس کی زمین میں انبیاء و رسل ہیں۔ ارشادِ باری ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً. (بقرہ) حضرت داؤدؑ کے متعلق ارشادِ باری ہے یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ (صٓ) اے داؤد ہم نے تجھ کو زمین میں خلیفہ مقرر کر دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح تمام مخلوق کے مقتدیٰ، امام اور خاتم الانبیاء ہیں اسی طرح آپ خاتم الخلفاء بھی ہیں خلافتِ الٰہیہ کے اس مقدس سلسلہ کو آپ کی ذاتِ اقدس پر ختم کر دیا گیا اور جس طرح آپ افضل الانبیاء ہیں اسی طرح افضل الخلفاء بھی ہیں، ابن عباسؓ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ فَضَّلَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ وَعَلٰی اَھْلِ السَّمَاءِ. بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کو تمام انبیاء اور آسمان والوں پر فضیلت دی ہے۔

انبیاء سابقین کی خلافت ان کے صالحین وارثین میں چلتی تھی۔ متعدد انبیاء کے متعلق قرآن مجید میں مذکور ہے اوّل الرسل حضرت نوحؑ کے بارے میں وَ جَعَلْنَاکُمْ خَلَائِفَ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِآیَاتِنَا۔ اور ہم نے تم کو خلیفہ بنایا اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا۔ قوم ہود کے بارے میں ارشاد ہے وَاذْکُرُوْا اِذْ جَعَلَکُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب خلیفہ بنایا تم کو قوم نوح کے بعد۔ قوم صالح کے بارے میں ارشاد ہے وَ اذْکُرُوْا اِذْ جَعَلَکُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَ بَوَّاَکُمْ فِی الْاَرْضِ۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب خلیفہ بنایا تم کو قوم عاد کے بعد اور ٹھکانہ دیا تم کو زمین میں۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا تھا وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظَّالِمِیْنَ۔ اور میری ذریت میں سے (بھی امام بنا) تو فرمایا میرا عہد ظالموں کو شامل نہیں ہوگا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی خلافت آپ کے صالح وارثین اور خلفاء راشدین کی طرف منتقل ہوگئی اور ان کے بعد خلفاء مہدیین کی طرف یہاں تک کہ امت میں بارہ خلفاء ظاہر ہوں جس کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا لَا یَزَالُ اَمْرُ النَّاسِ مَاضِیًا مَا وَلِیَهُمْ اِثْنَا عَشَرَ رَجُلًا۔ لوگوں کے امور برابر چلتے رہیں گے (قیامت قائم نہ ہوگی) جب تک بارہ خلفاء ظاہر ہوں۔ نیز ارشادِ رسول ہے کَیْفَ تَهْلِکُ اُمَّةٌ اَنَا اَوَّلُهَا وَالْمَهْدِیُّ وَسَطُهَا وَ الْمَسِیْحُ آخِرُهَا۔ (مشکوٰۃ) امت کیسے ہلاک ہو جائیگی جبکہ میں اسکا اول اور امام مہدی درمیان، اور مسیح ہدایت عیسیٰ اسکے آخر ہیں۔

بہر حال خلافت کے کچھ آثار، خواص، صفات، مقتضیات، ارکان اور غایات و مقاصد ہیں مثلاً:

قوم کا حاکم امیر اور خلیفہ ہو، تاکہ قوم بلا امیر نہ رہے، کیونکہ اسلام اجتماعیت کا متقاضی ہے اور اجتماعیت اسوقت ہوتی ہے جب ان کا ایک سربراہ مقرر ہو تاکہ اسکی

سیادت میں دین ودنیا کے نقصان سے محفوظ رہا جاسکے، انفرادی اور اجتماعی حقوق کی ادائیگی صحیح طریقہ پر ہو، ماں باپ اور انکی اولادمیاں، بیوی، بھائی، بہن، چچا، بھتیجا، ساس بہو، اقرباء وپڑوسی کے باہمی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو، وہ عبادت ومعاملات جو سیادت پر موقوف ہیں بحسن وخوبی انجام پاسکیں حسن معاشرت اور اخلاق حمیدہ کی فضا پیدا ہو احکام الٰہی کی تنفیذ ہو۔

امیر وحاکم اور خلیفہ کا انتخاب اربابِ حل وعقد کریں گے اور اس فریضہ کی انجام دہی میں کسی بھی طرح کی کوتاہی نہیں کریں گے۔ ہندوستان میں چونکہ مسلمان امیر کے انتخاب سے عاجز ہیں اس لئے وہ معذور شمار ہونگے اور اس فریضہ کے ترک کی وجہ سے گناہ گار نہ ہونگے۔

امیر ہرکس وناکس کو نہیں بنایا جائیگا نااہل کو امیر بنانا ظلم عظیم ہے بلکہ امارت کیلئے ایسے شخص کا انتخاب کیا جائیگا جو دیانت داری کے ساتھ علم سیاست سے پوری طرح واقف ہو اور نظام سیاست کی پوری صلاحیت رکھتا ہو تاکہ نظام سلطنت مستحکم اور برقرار رہ سکے اسی لئے اگر ایک شخص نیک صالح ہے اور علم دین کا ماہر ہے مگر انتظامی صلاحیت نہیں رکھتا دوسرا شخص اگرچہ اتنا علم نہیں رکھتا مگر انتظامی صلاحیت پوری مکمل رکھتا ہے اور حالات کے نشیب وفراز کو اچھی طرح سمجھتا ہے تو خلافت کیلئے یہی شخص منتخب کیا جائیگا کیونکہ انتظامی قابلیت کی وجہ سے یہ قوم کی زیادہ خدمت کرسکے گا۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ خلافت کا مدار وراثت پر نہیں بلکہ انتخاب پر ہے ارشادِ باری ہے وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاءُ۔ (بقرہ) اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنا ملک دیتا ہے (اس میں کسی نسب، مال، قبیلہ یا جماعت کی تخصیص نہیں) اِصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ فِيْ الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ. منتخب کیا اس کو تم پر علم اور قوت میں۔ حدیث میں ہے اِسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَلَوْ اُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبْشِيٌّ. بات سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنایا گیا ہو۔ مَنْ لَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً. (حدیث) جس نے اپنے زمانے کا امام نہ پہچانا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

(۱۱۶) وَتَفْوِيضُ الْأَمْرِ إِلَى مَنْ لَا يَبْتَغِيهِ إِلَّا مَنْ يَطْلُبُهُ لِابْتِغَاءِ مَرْضَاةِ اللّٰهِ وَ النَّاسُ يَعْرِفُوْنَ لِصِدْقِهِ وَ إِخْلَاصِهِ (۱۱۷) وَ يَلْزَمُهُ الشُّوْرٰى لِدَفْعِ الْإِسْتِبْدَادِ وَ عَلَيْهِ الْعَزِيْمَةُ وَالتَّرْجِيْحُ لِدَفْعِ الْإِنْتِشَارِ وَالْفَوْضُوِيَّةِ.

**ترجمہ:** (۱۱۶) اور امور سلطنت پر ایسے شخص کو فائز کیا جائے گا جو اس کا طلبگار نہ ہو مگر جو شخص اس عہدے کو رضاء الٰہی کیلئے طلب کرے اور لوگ اس کے صدق ولمانت اور اخلاص وللٰہیت کو جانتے ہوں (۱۱۷) اور امام کیلئے لازم ہے کہ مجلس شوریٰ قائم کرے ڈکٹیٹری کو ختم کرنے کیلئے اور رائے کے اختلاف اور بے سری کو دور کرنے کیلئے امام پر لازم ہے کہ کسی ایک رائے کو ترجیح دے اور پختگی سے اس پر عمل کرے

**توضیح:** تفویض: باب تفعیل سپرد کرنا۔ یبتغیه: باب افتعال، طلب کرنا۔ مرضاۃ: مصدر باب س، خوش ہونا۔ اخلاص: باب افعال، (۱) تلچھٹ سے صاف کیا ہوا مکھن (۲) اپنے عمل پر اللہ کے سوا کسی اور کو گواہ نہ بنانا (۳) اعمال کو کدورتوں سے پاک رکھنا (۴) اللہ اور بندے کے درمیان پردہ جسے فرشتہ بھی نہ جانے کہ اسے لکھے، نہ شیطان جانے کہ اسکو روک دے۔ صدق: کذب کی ضد ہے (۱) موقعۂ ہلاکت میں حق بات کہنا۔ قشیری نے کہا ہے کہ صدق یہ ہے کہ تیرے احوال میں ملاوٹ نہ ہو، تیرے اعتقاد میں شک نہ ہو، تیرے اعمال میں کوئی عیب نہ ہو۔ صدق واخلاص میں فرق یہ ہے کہ صدق اصل ہے اور اس کا ظہور پہلے ہوتا ہے اخلاص اسکی فرع ہے اور اس کا ظہور بعد میں ہوتا ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۱۲۸)

**تشریح:** (۱۱۶) اگر کوئی شخص حب جاہ اور حب مال کے لالچ میں اور نفسانی اغراض کی وجہ سے خلافت کا طلبگار ہو تو اس کو یہ عہدہ سپرد نہ کیا جائیگا، ارشاد رسول ہے اِنَّا وَاللّٰهِ لَا نُوَلِّيْ عَلٰى هٰذَا الْعَمَلِ (الامارة) اَحَدًا سَاَلَهُ وَلَا اَحَدًا حَرِصَ عَلَيْهِ. (مشکوۃ) اللہ کی قسم ہم اس امارۃ کا

والی نہیں بنائیں گے کسی کو جو اس کا مطالبہ کرے اور ایسے شخص کو جو اس کا حریص ہو۔

البتہ اگر اس کا مطالبہ صرف رضائے الٰہی اور لوگوں کی خیر خواہی کے پیش نظر ہے یا دوسرا آدمی اس کی صلاحیت نہیں رکھتا لہٰذا اگر اس شخص نے پیش قدمی نہ کی تو نااہل قبضہ جمالیں گے اور لوگ اسکے صدق واخلاص کو جانتے ہیں تو اسکے منتخب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ اگر وہ دوسروں کے مقابلے میں لائق ترجیح ہو تو اسی کو ترجیح دی جائیگی۔

جیساکہ حضرت یوسفؑ نے بادشاہِ مصر سے درخواست کی تھی اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَائِنِ الْاَرْضِ. (یوسف) مجھے زمین کے خزانوں کا والی مقرر کر دیجئے۔ یہ درخواست رضاءِ الٰہی اور لوگوں کی خیر خواہی کی بنا پر تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان میں علم سیاست اور ملکی حفاظت کا وہ ملکہ اور کمال عطا فرمایا تھا جو لوگوں نے دیکھا اور لوگ انکی انتظامی خوبیوں کی وجہ سے سات سال تک قحط سالی کی پریشانی سے محفوظ رہے بہر حال اس امر کے آپ اہل بھی تھے اور اربابِ حل وعقد انکے صدق واخلاص کو جانتے بھی تھے وَ هُوَ النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ ابْنُ الْكَرِیْمِ ابْنُ الْكَرِیْمِ

(۱۱۷) مشورہ میں چونکہ خیر ہے، حق کی تلاش ہے بلا مشورہ نظم ونسق میں خطاء کا امکان بھی زیادہ اور من مانی بھی جس کو ڈکٹیٹر شپ کہا جاتا ہے جو اسلامی اصول کے خلاف ہے اس لئے امام کو لازم ہے کہ امور مملکت میں ضرورت کے وقت مشورہ کرنے کیلئے اہل الرائے کی مجلس شوریٰ قائم کرے۔ ارشادِ باری ہے وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ. ان سے معاملہ میں مشورہ کر۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ.

اگر اراکین شوریٰ کی رائے کسی جانب متفق نہ ہو سکیں تو امام صاحب کو حق ہوگا کہ دلائل کی روشنی میں کسی ایک جانب کو ترجیح دیکر اس پر عمل کرے اور اگر کثرت رائے کو ترجیح دی گئی ہو تو حاکم کا درجہ اس مسئلہ میں ایک رکن ہی کا ہوگا جیساکہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا کہ اِنِّیْ وَاحِدٌ كَاَحَدِكُمْ. میں تم میں کے ایک فرد کے برابر ہوں۔

(۱۱۸) وَ القَانُوْنُ القَطعِیُّ لِلتَّمَسُّكِ (۱۱۹) وَ الحُكْمُ بِالعَدْلِ وَلَوْ عَلٰى اَنفُسِهِمْ (۱۲۰) وَ عَلٰى القَوْمِ اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلٰى مَنشَطٍ وَ مَكْرَهٍ اِذْ لَمْ يُؤمَرْ بِمَعْصِيَةِ الخَالِقِ (۱۲۱) وَ يَلْزَمُهُ الاِعْدَادُ المُسْتَطَاعُ لِلْحِفْظِ وَ سَدِّ الثُّغُوْرِ وَ الجِهَادِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لِدَفْعِ الفِتْنَةِ وَاِعْلَاءِ كَلِمَةِ اللّٰهِ وَ التَّيْسِيْرِ لِلْهِجْرَةِ لِمَنْ يُهَاجِرُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَكَانِيَّةً كَانَتْ اَوْ مَعْنَوِيَّةً۔

**ترجمہ:** (۱۱۸) اور اعتصام (اجراء احکام) کیلئے قطعی قانون ضروری ہے (۱۱۹) اور یہ بھی ضروری ہے کہ عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے چاہے وہ فیصلہ اپنے ہی خلاف پڑے۔ (۱۲۰) اور قوم پر امام کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے خوشی کے ساتھ ہو یا جبریہ، بشرطیکہ خالق کائنات کی نافرمانی کا حکم نہ دے (۱۲۱) اور امام کو حسب استطاعت ملکی حفاظت اور سرحدی حفاظت کی تیاری لازم ہے اور دفع فتنہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے راستہ خداوندی میں جہاد کرنا بھی ضروری ہے اور ہر اس شخص کی ہجرت کیلئے سہولت فراہم کرنا لازم ہے جو راستہ خداوندی میں ہجرت مکانی یا ہجرت معنوی کرنا چاہتا ہے۔

**توضیح:** منشط: خوش دلی۔ مکرہ: ناپسندیدگی۔

**تشریح:** (۱۱۸) خلافت کے تقاضے میں سے ہے کہ قانونِ قطعی ہو جس کی بنیاد پر امام احکام کا اجراء کر سکے اور عالم میں امن وامان قائم ہو، شر وفتنہ ختم ہو، معبود حقیقی کی کھل کر عبادت ہو، چنانچہ وہ قانون قطعی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اجماع امت اور مجتہدین کا قیاس ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو معلوم کیا کس چیز سے فیصلہ کروگے؟ عرض کیا کتاب اللہ سے، حضور ﷺ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو عرض کیا سنت رسول سے، آپ نے فرمایا اگر سنت میں بھی نہ ملے؟ تو عرض کیا اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تمام تعریفیں ہیں خداوند لاشریک کیلئے جس نے رسول اللہ کے رسول کو وہ توفیق دی جس سے رسول اللہ خوش ہوں۔ (مشکوۃ)

(۱۱۹) شریعت نے سیاست دینیہ کے ذریعہ امام کو حکم دیا کہ احکامات اور فیصلوں میں عدل و انصاف سے کام لے اور کتاب و سنت کو لازم پکڑے خواہ وہ فیصلہ خلاف پڑے، ارشادِ باری ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ (نساء) اے مومنو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی صرف اگرچہ ہو تمہارا نقصان یا ماں باپ کا یا اقرباء کا۔ کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیِّیْنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ۔ (بقرہ) لوگ ایک جماعت تھے سو بھیجا اللہ نے نبیوں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب تاکہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

(۱۲۰) قوم کی ذمہ داری ہے کہ امام کی اطاعت کریں اسکے فیصلوں کو تسلیم کریں اور اس کی باتوں کو سنیں اور مانیں خواہ وہ بات اور فیصلہ دل کو بھائے یا نہ بھائے، البتہ معصیت کے کاموں میں اس کی اطاعت نہ کیجائے۔ مومن کی شان اللہ نے یہی بیان کی ہے وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا، (بقرہ) اور کہہ اٹھے ہم نے سنا اور قبول کیا۔ ارشادِ رسول ہے اُوْصِیْکُمْ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، میں تم کو سمع و طاعت کا حکم دیتا ہوں۔ اَلسَّمْعُ وَ الطَّاعَةُ عَلَی الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِیْمَا اَحَبَّ وَکَرِهَ مَالَمْ یُؤْمَرْ بِمَعْصِیَةٍ، (حدیث) مسلمان پر پسندیدہ و ناپسندیدہ چیزوں میں سمع و طاعت لازم ہے جب تک معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ نے فرمایا بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ وَ الْمَنْشَطِ وَ الْمَکْرَهِ۔ الخ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنگی اور آسانی اور خوشی اور ناخوشی میں سمع و طاعت پر بیعت کی ہے۔

لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ، (حدیث مشکوٰۃ) خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے وَ اِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَالَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلاَ تُطِعْهُمَا (لقمان) اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس بات پر کہ شریک مان میرا اس چیز کو جو تجھ کو معلوم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان۔

(۱۲۱) امام کو چاہئے کہ وہ مطمئن ہو کر نہ بیٹھے بلکہ اپنے فرائض منصبی کو انجام دے، اور وسعت کے مطابق دشمن اور باطل طاقتوں کے خلاف فوجی تیاری کرے سرحدوں کی حفاظت کرے تاکہ کفار حملہ آور نہ ہو سکیں، ارشاد باری ہے وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ آخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ (انفال) اور تیاری کرو ان کے لئے جو طاقت رکھتے ہو قوت سے اور گھوڑے باندھ کر اس سے اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو ڈرانے کیلئے اور ان کے علاوہ دوسروں کو۔

کفار کو دعوتِ حق دیں اگر وہ قبول کرلیں تو فبہا ورنہ دعوت جذیہ دے اگر قبول کرلیں تو بہت اچھا اگر دونوں ہی باتوں کا انکار کر دیں تو ان سے جہاد کیا جائے تاکہ شر، فتنہ فساد اور مہلک مادہ ختم ہو اور اللہ کا دین سر بلند ہو۔ ارشادِ باری ہے یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنَافِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ. (توبہ) اے نبی کافروں اور منافقوں سے لڑائی کر اور ان پر تند خوئی کر۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لاَ تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَ یَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ. (بقرہ) اور ان سے لڑائی کرو تاکہ فساد باقی نہ رہے اور حکم خدا تعالیٰ ہی کا رہے۔

پہلے دعوت اس لئے ضروری ہے تاکہ انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ قتال سے ہمارا مقصد جان و مال نہیں ہے بلکہ شر و فتنہ کا خاتمہ اور تبلیغ دین ہے، ہند اور بیرون ہند مدارس اسلامیہ اور تبلیغی مراکز جو تبلیغ دین کا کارنامہ انجام دے رہے ہیں اس کی بنیاد شریعت کے عین مطابق ہے اس کو خلاف شریعت کہنا اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا خلاف اصول ہے۔ اسی طرح امام پر لازم ہے کہ جو شخص ہجرت کرنا چاہتا ہے اس کے

لئے اسباب سہولت فراہم کرے خواہ ہجرت مکانی ہو یا معنوی۔ ہجرت مکانی تو یہ ہے کہ دار الحرب میں اپنے ایمان کی حفاظت اور احکام اسلام پر عمل دشوار ہو تو وہاں سے دار الاسلام کی جانب ہجرت کرے اور امام اس کی سہولت کے اسباب مہیا کرے اور ہجرت معنوی یہ ہے کہ منہیات سے بچ کر مامورات کو لازم پکڑ لے یہاں بھی امام پر حسب حیثیت لازم ہے کہ ان کی سہولیات پر نظر رکھے مثلاً اگر علماء حق ہیں یا مفتیان کرام یا قاضی وغیرہ تو بیت المال سے ان کے وظیفہ مقرر کرے ارشاد باری ہے اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ قَالُوْا کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا فَاُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا۔ (نساء) بلاشبہ وہ لوگ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ برا کر رہے ہیں اپنا کہتے ہیں ان سے فرشتے تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم تھے بے بس اس ملک میں، کہتے ہیں فرشتے کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی جو وطن چھوڑ کر وہاں چلے جاتے سو ایسوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ وَمَنْ یُّھَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یَجِدْ مُرَاغَمًا کَثِیْرًا وَّ سَعَۃً۔ (نساء) اور جو کوئی وطن چھوڑ دے اللہ کی راہ میں، پاوے گا اس کے مقابلے میں بہت جگہ اور کشائش۔ وَالْمُھَاجِرُ مَنْ ھَجَرَ مَا نَھَی اللّٰہُ عَنْہُ۔ (حدیث) مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع فرمایا۔

(۱۲۲) وَ الْاِحْتِسَابُ لِلْاِیْقَاظِ وَ الْمُؤَاخَذَۃِ (۱۲۳) وَ غَایَتُھَا اِقَامَۃُ الدِّیْنِ وَ حِفْظُ الْحُدُوْدِ فِی الْعِبَادَاتِ وَ الْمُعَامَلَاتِ وَ الْمُعَاشَرَاتِ وَ نَظْمِ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیِ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اِقَامَۃِ الْحُدُوْدِ وَ الْقِصَاصِ وَ التَّعْزِیْرَاتِ لِاِزَالَۃِ الْمُنْکَرَاتِ۔

**ترجمہ:** (۱۲۲) اور قوم میں بیداری رکھنے کیلئے جانچ پڑتال اور قانونی خلاف ورزی سے بچانے کیلئے مواخذہ (کڑی نظر اور چوکسی) ضروری ہے

(۱۲۳) اور خلافت قائم کرنے کا منشا دین الٰہی کو قائم (جاری و ساری) رکھنا، عبادات، معاملات اور معاشرت میں شرعی حدود کی نگہبانی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کا نظم کرنا، اور منکرات (برائیوں) کو ختم کرنے کیلئے حدود، قصاص اور تعزیرات کا انتظام کرنا ہے۔

(۱۲۲) امام کا فریضہ ہے کہ لوگوں کے حالات اور ضرورتوں کی دیکھ ریکھ رکھے اور ان کے دینی و دنیوی معاملات سے باخبر رہے تاکہ ان میں بیداری رہے، حتی کہ مواخذہ اور تادیب کی ضرورت پیش آئے تو اس سے بھی دریغ نہ کرے اور اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سیرت کو اپنائے، جنہوں نے خلافت کے فرائض کو کس ذمہ داری اور حسن وخوبی کے ساتھ نبھایا۔ حضرت عمر فاروقؓ کا معمول یہ تھا کہ جب لوگ سو جاتے تو بستی اور جنگلوں میں گشت لگاتے اور لوگوں کے حالات کی خبر لیتے کہ کس حال میں ہیں اگر کوئی پریشانی ہوتی تو اسکو دور کرتے اور اگر کوئی دینی چیز چھوٹ جاتی تو اس پر مواخذہ فرماتے۔

(۱۲۳) دین کے قیام، حدود شرعی کی حفاظت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی تبلیغ اور حدود و قصاص کے نفاذ کیلئے خلافت جیسی مستحکم قوت کی ضرورت ہوتی ہے اسی لئے شریعت اسلامیہ نے خلافت کے مسئلہ پر بڑا زور دیا ہے۔

پس امام پر لازم ہے کہ اقامتِ دین اور اجرائے دین کیلئے فرائض، واجبات، سنن، آداب کی رعایت خود بھی ملحوظ رکھے اور دوسروں کو بھی اس کا پابند بنائے، اور امت کا فریضہ یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کرتی رہے۔

ارشادِ باری ہے اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ آتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (حج) وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں زمین میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور ادا کریں زکوۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے اور اللہ ہی کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔

امام پر لازم ہے کہ شریعت نے جس معاملہ میں جو سزا مقرر کی ہے مجرم پر اس کو نافذ کرے اور اس میں قریب وبعید کو برابر سمجھے اور کسی کی طعنہ زنی اور ملامت کا اندیشہ نہ کرے ارشاد رسول ہے اَقِيْمُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ فِى الْقَرِيْبِ

وَالبَعِيدِ وَ لاَ تَأْخُذْكُمْ فِيْ اللّٰهِ لَوْمَةُ لاَئِمٍ قریب وبعید میں اللہ کی حدود قائم کرو، اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت تمہیں مانع نہ ہو۔ اِقَامَةُ حدٍ من حُدُودِ اللّٰهِ خيرٌ من مطر اربعين ليلةً في بلاد اللّٰه (مشکوٰۃ) اللہ کی حد کو قائم کرنا اللہ کے شہروں میں چالیس رات کی بارش سے بہتر ہے۔

چنانچہ شرعی گواہوں سے ثبوت زنا کے بعد حد زنا، ثبوت سرقہ کے بعد حد سرقہ، ثبوت شرب خمر کے بعد حد خمر، اسی طرح حد قتل اور حد قذف وغیرہ جاری کرے۔

اگر کسی مجرم کیلئے کوئی سزا مقرر نہ ہو بلکہ حاکم کی رائے اور صوابدید پر موقوف ہو تو حاکم وقت اس کو اپنی صوابدید پر سزا دے کیونکہ عالم میں نظام امن قائم رکھنے اور خدا کی نافرمانی سے بچانے اور جرائم کو ختم کرنے کیلئے مجرم پر مقررہ سزا جاری کرنا ضروری ہے۔

جہاں حدود کا مسئلہ نہ ہو تو لوگوں کے ساتھ نرمی اور تسکین کا معاملہ کیا جائے اگر کچھ شبہات لاحق ہوں تو ان کو نرمی سے حل کردیا جائے غرضیکہ اخلاق حسنہ سے انحراف نہ کرے ورنہ اشاعت دین میں خلل واقع ہوگا۔

(۱۲۴) وَ الرِّفْقُ وَالتَّطْيِيبُ لِتَرْوِيجِ المَعْرُوفَاتِ وَ التَّعْمِيمِ لِلتَّعْلِيمِ وَ الإِكْرَاهِ فِيْ ضَرُورِيَاتِ الدِّيْنِ وَ التَّوَسُّعِ فِي التَّبْلِيغِ عَلَى التَّدْرِيجِ حَسْبَ دَرَجَاتِهِ (۱۲۵) وَ التَّنْظِيمِ بِالاِعْتِصَامِ بِحَبْلِ اللّٰهِ لِدَفْعِ الفُرْقَةِ وَ تَوْحِيدِ الأُمَّةِ وَ تَرْبِيَةِ خَلْقِ اللّٰهِ عَلَى أَخْلاَقِ اللّٰهِ وَ لَخَّصَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَمْسٍ وَ هِيَ مَبَانِيْ أُصُوْلِ السِّيَاسَةِ الدِّيْنِيَّةِ . الجَمَاعَةُ وَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ وَ الهِجْرَةُ وَ الجِهَادُ.

**توضیح:** تطییب: باب تفعیل، خوشبو لگانا، اچھا کرنا۔ طیّب خاطرہ: مطمئن کرنا، تسکین دینا، یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

**ترجمہ:** (۱۲۴) اور معروفات (بھلائیوں) کو رواج دینے کیلئے لوگوں کے ساتھ نرمی اور تسلی خاطر اور تعلیم کو عام کرنا اور دین کے ضروری احکام

پر عمل کرانے میں زبردستی کرنا اور تبلیغ کو تدریجی طور پر درجہ بدرجہ وسیع کرنا ہے۔

(۱۲۵) فرقہ بندی ختم کرنے، امت کو متحد کرنے، اخلاقِ خداوندی کے مطابق مخلوق خدا کی تربیت کرنے کے لئے اللہ کی رسی (دین الٰہی) کو مضبوطی سے پکڑنے کی تنظیم بنانا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقِ خداوندی کا خلاصہ پانچ چیزوں میں بیان فرمایا ہے (۱) جماعت (۲) امام کی بات سننا (۳) امام کی اطاعت کرنا (۴) ضرورت پیش آئے تو ہجرت کرنا (۵) اصول و شرائط کے ساتھ جہاد کرنا۔

(۱۲۶) بھلائیوں کی ترویج میں نرمی کا پہلو نہایت مؤثر ہوتا ہے اسی لئے انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیم دی، حضرت موسیٰؑ اور ھارونؑ کے بارے میں ارشاد ہے فَقُوْلَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰه) سو اس سے نرم بات کہو شاید وہ سوچے یا ڈرے۔ حضور ﷺ کو حکم ہوا خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (اعراف) عفو و درگذر اختیار کیجئے بھلائیوں کا حکم کیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ. (آل عمران) سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو ان کو نرم دل مل گیا اور اگر تو تند خو سخت دل ہوتا تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے سو تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے (تسلی خاطر کیلئے) کام میں مشورہ لے۔ یعنی موقع بموقعہ نرمی اور سختی سے کام لے، نہ بیجا نرمی ہو کہ لوگ حلوہ سمجھ کر کھا جائیں اور نہ ایسی سختی کہ لوگ ایلوا سمجھ کر نفرت کرنے لگیں۔ شیخ سعدیؒ نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

درشتی و نرمی بہم دربہ است　　　　که فاصد که جراح مرہم نہ است

نرمی و سختی علی وجہ الاتم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام عالی ہے، ارشاد رسول ہے بُعِثْتُ مَرْحَمَةً وَ مَلْحَمَةً میں نرمی و سختی کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آپ کے تربیت یافتہ صحابہ و خلفاء راشدین میں بھی نرمی و سختی علی وجہ الاتم موجود تھی ارشاد باری ہے اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ. کفار کے مقابلے میں جہت

سخت، آپس میں رحم دل۔

ضروریاتِ دین کا علم سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض عین ہے اور تعلیم کی اس طرح تکمیل کہ مکمل دین سے مع دلائل و حقائق واقفیت ہو جائے فرض کفایہ ہے، اسلئے امام کی ذمہ داری ہے کہ قوم کیلئے تعلیم کا معقول نظم ونسق کرے اور ان کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دے اور تنبیہ کی ضرورت پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کرے کیونکہ ضروریات دین میں تنبیہ کی تعلیم شریعت نے دی ہے ارشادِ نبوی ہے جب بچہ سات سال کا ہو تو اس کو نماز کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر اسے مارو۔

آہستہ آہستہ تبلیغ کا دائرہ بھی وسیع کرے جو طریقہ نبوی کے مطابق ہو مثلاً پہلے اپنی، پھر اہل وعیال، پھر خاندان، پھر محلہ پڑوس اور بستی والوں کی اصلاح کی فکر کرے ارشادِ باری ہے قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ خود کو اور اپنے اہل کو جہنم سے بچاؤ۔ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ اور اپنے قریبی خاندان والوں کو ڈرائیے۔ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا۔ تاکہ تو مکہ والوں اور اسکے ارد گرد کو ڈرائے۔ لِتَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ تاکہ تو عالمین کیلئے ڈرانیوالا ہو۔

(۱۴۵) امام کا فریضہ ہے کہ ایسا مستحکم نظام بنائے کہ تمام لوگ ایک پلیٹ فارم پر آجائیں تاکہ آپسی پھوٹ، انتشار اور اختلاف سے محفوظ رہیں بلکہ بکھری ہوئی قوتیں مجتمع ہو جائیں ایسا نظام حبل اللہ یعنی کتاب و سنت ہے۔ اسکے اختیار کرنے سے قوموں کی شیرازہ بندی ہوتی ہے، مردہ دلوں کو تازگی ملتی ہے۔ لیکن کتاب وسنت پر عمل اپنی رائے اور خواہش کے مطابق نہیں بلکہ سلف صالحین کی تصریح کے مطابق ہو ارشادِ باری ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا۔ (آل عمران) سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلو۔

آج کل کی تنظیمیں شکلیں اس کا کامیاب حل نہیں کہ صرف کاغذی کاروائی ہو جائے اور اس موضوع پر ایک دو پروگرام کر کے لوگوں کو ترغیب دیدی جائے، پس مطلوب تنظیم وہ ہے جو عمل پر آمادہ کرے ارشادِ باری ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ (مریم) بلاشبہ جو

لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ان کو رحمٰن محبت دے گا۔

انبیاء کی بعثت کا مقصد انسان کی ظاہری و باطنی اصلاح و تزکیہ ہے۔ اور خلافت کا مقصد انبیاء کرام کی راہِ مستقیم پر چلانا ہے اس لئے ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح خلافت کی غایات میں سے ہے، ارشادِ نبوی ہے بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ مجھے اسلئے مبعوث کیا گیا تاکہ مکارم اخلاق کی تکمیل کردوں۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ۔ (حدیث) اخلاق خداوندی اختیار کرو۔ وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ۔ (انعام) اور انہوں نے ظاہری و باطنی گناہ چھوڑ دیئے۔

ظاہر و باطن دونوں کے تزکیہ کا نام شریعت ہے البتہ متاخرین علماء تزکیہ باطن کو طریقت اور تزکیہ ظاہری کو شریعت سے تعبیر کرتے ہیں۔ تزکیہ باطن کو تصوف واحسان بھی کہا جاتا ہے۔ بعض جاہل کہتے ہیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور، یا بالکل غلط ہے، شریعت اور طریقت دونوں ایک ہیں، اور دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتی۔ حضرت حکیم الامت تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شریعت نام ہے احکام تکلیفیہ کے اس میں اعمالِ ظاہری و باطنی سب آگئے۔ پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت جزو متعلق باعمال ظاہرہ کا نام فقہ ہو گیا اور دوسرے جزو متعلق باعمال باطنہ کا نام تصوف ہو گیا۔ اور ان اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔ پھر ان اعمال کی درستی سے قلب میں جلا پیدا ہوتا ہے جس سے قلب بعض حقائق کونیہ بالخصوص اعمال حسنہ وسیئہ اور حقائق الٰہیہ صفاتیہ بالخصوص معاملات بین اللہ وبین العبد منکشف ہوتے ہیں، ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں، اور اس انکشاف کو معرفت۔ پس یہ سب امور متعلق شریعت کے ہی ہیں۔

(شریعت و طریقت ص ۳۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں کا خلاصہ پانچ چیزوں میں بیان فرمایا ہے ارشاد ہے اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ اَمَرَ یَحْیَی بْنَ زَکَرِیَّا عَلَیْہِ السَّلَامُ بِخَمْسِ کَلِمَاتٍ اَنْ

يَعْمَلَ بِهِنَّ وَ اَنْ يَامُرَ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ اَنْ يَعْمَلُوْا بِهِنَّ (۱) بِعِبَادَةِ اللّٰهِ وَحْدَهٗ لَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا (۲) وَ بِالصَّلٰوةِ (۳) وَ بِالصَّوْمِ (۴) وَ بِالصَّدَقَةِ (۵) وَبِذِكْرِ اللّٰهِ كَثِيْرًا. (وهٰذه اصولُ الديانة) وَ اَمَّا آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اَللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ اَلْجَمَاعَةَ وَالسَّمْعَ وَ الطَّاعَةَ وَالْهِجْرَةَ وَ الْجِهَادَ. (وهٰذه اُصُولُ السِّيَاسَةِ).

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا کو پانچ باتوں کا حکم دیا کہ ان پر خود بھی عمل کریں اور بنی اسرائیل کو کرنے کا حکم دیں (۱) اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت (۲) نماز (۳) روزہ (۴) صدقہ (۵) اللہ کا کثرت سے ذکر۔ (یہ اصول دین ہیں) میں بھی تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے (۱) جماعت مسلمین کا التزام (۲) امام کی بات سننا (۳) امام کی اطاعت کرنا (۴) ہجرت (۵) جہاد۔ (یہ اصول سیاست ہیں)

ابن کثیر نے یہ حدیث يَا اَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ کے تحت نقل کی ہے، پس یہی امور خمسہ اخلاق اللہ ہیں اور یہی امور خمسہ سیاست دینیہ کی بنیاد ہیں۔

تمت وبالفضل عمت ۹۹/۶/۱۸ء

وصلّی اللّٰهُ تعالٰی علٰی خیر خلقه محمّدٍ وّ علٰی آله وصحبه اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الرّاحمین۔